احکام القرآن

سورہ بقرہ کا خلاصہ اور اس میں بیان کردہ احکام

مع تقریظ

مفتی اعظم پاکستان مفتی منیب الرحمن دام ظلہ

مؤلف

شیخ الحدیث مفتی محمد ابو بکر صدیق

القادری الشاذلی

جامع مسجد یٰسین آباد

فہرست

نمبر شمار	عنوانات	صفحہ
1	تقریظ مفتی منیب الرحمن دام ظلہ	9
2	پیش لفظ	10
3	سورۂ بقرہ کا خلاصہ	11
4	سورۂ بقرہ میں بیان کردہ احکام	28
5	مسئلہ نمبر ۱: اشیاء میں اصل اباحت ہے۔	28
6	مسئلہ نمبر ۲: نماز، زکوۃ، رکوع کی فرضیت اور جماعت کا وجوب	29
7	مسئلہ نمبر ۳: اللہ کی بارگاہ میں اللہ کے پیاروں کا وسیلہ جائز ہے۔	29
8	مسئلہ نمبر ۴: قرآن کا نسخ قرآن سے ثابت ہے۔	30
9	مسئلہ نمبر ۵: مسجد کو ڈھانا اور اس میں نماز کی ادائیگی سے منع کرنا حرام ہے۔	35
10	مسئلہ نمبر ۶: دورانِ سفر نفل نماز یا ایسی جگہ جہاں قبلہ کا علم نہ ہو سکے تو کسی بھی سمت ادا کی جا سکتی ہے۔	36
11	مسئلہ نمبر ۷: باپ اگر اپنے غلام بیٹے کا مالک ہو جائے تو بیٹا خود بخود آزاد ہو جائے گا۔	37
12	مسئلہ نمبر ۸: انبیاء علیہم السلام معصوم ہیں اور کافر مسلمانوں کا	38

امام نہیں ہو سکتا۔

13	مسئلہ نمبر۹: مکہ معظمہ کی تعظیم	39
14	مسئلہ نمبر۱۰: اجماعِ امت حجت ہے اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم امت کے احوال سے واقف ہیں۔	40
15	مسئلہ نمبر۱۱: قبلہ کی تبدیلی کا سبب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وفاداروں کی پہچان تھی۔	43
16	مسئلہ نمبر۱۲: اللہ تعالی اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رضا چاہتا ہے۔	43
17	مسئلہ نمبر۱۳: نماز میں قبلہ کی طرف چہرہ کرنا فرض ہے۔	44
18	مسئلہ نمبر۱۴: شہداء کو مردہ کہنا منع ہے اور وہ زندہ ہیں اور انبیاء کرام علیہم السلام بدرجہ اولی زندہ ہیں۔	44
19	مسئلہ نمبر۱۵: صفا اور مروہ اللہ تعالی کی نشانیاں ہیں اور حج اور عمرہ میں ان کی سعی واجب ہے۔	46
20	مسئلہ نمبر۱۶: وہ جانور جن پر ذبح کے وقت غیرِ خدا کا نام لیا جائے، مردار خون اور خنزیر کھانا حرام ہے۔	48
21	مسئلہ نمبر۱۷: جان بچانے کے لیے بقدرِ ضرورت حرام کھایا جا سکتا ہے۔	50
22	مسئلہ نمبر۱۸: اصل نیکی کیا ہے۔ متقی کون ؟	50

23	مسئلہ نمبر ۱۹: جان کا بدلہ جان ہے، اور قصاص میں زندگی ہے جتنا ظلم ہوا اتنا ہی بدلہ لے سکتے ہیں۔	53
24	مسئلہ نمبر ۲۰: وصیت کا وجوب منسوخ ہو گیا۔	55
25	مسئلہ نمبر ۲۱: روزہ کی فرضیت اور اس کے بعض اہم احکام۔	56
26	مسئلہ نمبر ۲۲: قرآنِ پاک لوگوں کی ہدایت کے لیے ماہِ رمضان المبارک میں نازل کیا گیا۔۔۔الخ	57
27	مسئلہ نمبر ۲۳: دینِ اسلام آسان ہے سخت نہیں اور مطلع صاف نہ ہونے کی وجہ سے چاند نہ نظر آسکے تو۔۔۔الخ	59
28	مسئلہ نمبر ۲۴: رمضان کی راتوں میں میاں بیوی میں قربت جائز ہے، نیز میاں بیوی کا آپس میں پردہ نہیں۔	60
29	مسئلہ نمبر ۲۵: رمضان کی راتوں میں کھانا پینا جائز ہے اور حالتِ اعتکاف میں اپنے اہل سے قربت جائز نہیں۔	60
30	مسئلہ نمبر ۲۶: رشوت اور دیگر حرام طریقوں سے غیر کا مال کھانا حرام ہے۔	61
31	مسئلہ نمبر ۲۷: جہاد اور اس کے احکام۔	62
32	مسئلہ نمبر ۲۸: حج و عمرہ کی تکمیل فرض ہے اور حج مکمل نہ کر سکنے کی صورت کا بیان۔	63
33	مسئلہ نمبر ۲۹: حج کی اقسام اور حج کی قربانی کے بجائے روزہ	65

رکھنے کا جواز۔
34 مسئلہ نمبر ۳۰: حج کا وقت۔ حج میں کیا منع ہے۔ وقوف عرفات اور مزدلفہ۔ 66
35 مسئلہ نمبر ۳۱: تکبیراتِ تشریق۔ رمیٔ جمرات کا وقت۔ 68
36 مسئلہ نمبر ۳۲: شراب اور جوئے کی حرمت۔ 69
37 مسئلہ نمبر ۳۳: یتیم کے مال کے احکام۔ 70
38 مسئلہ نمبر ۳۴: مومن مرد اور عورت کا نکاح کسی مشرک مرد و عورت سے جائز نہیں۔ 71
39 مسئلہ نمبر ۳۵: ماہواری میں قربت جائز نہیں۔ 73
40 مسئلہ نمبر ۳۶: کس مقام سے ہمبستری جائز ہے؟ 74
41 مسئلہ نمبر ۳۷: زیادہ قسمیں (یمین) کھانے اور گناہ کی قسم کی ممانعت۔ 76
42 مسئلہ نمبر ۳۸: یمین (قسم) کی اقسام اور ان کے احکام۔ 77
43 مسئلہ نمبر ۳۹: ایلاء (اپنی بیوی سے ہمبستری نہ کرنے کی قسم) کا بیان۔ 78
44 مسئلہ نمبر ۴۰: طلاق یافتہ (مطلقہ) کی عدت کی مدت اور طلاقِ رجعی میں رجعت کا بیان اور میاں بیوی کے حقوق۔ 79
45 مسئلہ نمبر ۴۱: طلاقِ رجعی اور خلع کا بیان۔ 81

46	مسئلہ نمبر ۴۲: طلاقِ غلیظہ (وہ طلاق جس کے بعد رجوع نہیں کیاجاسکتا) اور حلالے کا بیان۔	83
47	مسئلہ نمبر ۴۳: دورانِ عدت رجوع کرنے کا بیان۔	85
48	مسئلہ نمبر ۴۴: طلاقِ رجعی کی عدت گزر جانے کے بعد سابقہ شوہر یا کسی اور سے نکاح کرنے کا بیان۔	86
49	مسئلہ نمبر ۴۵: رضاعت (دودھ پلائی) اور اس کے متعلق چند اہم مسائل۔	87
50	مسئلہ نمبر ۴۶: وفات کی عدت کا بیان۔	91
51	مسئلہ نمبر ۴۷: عدت کے دوران واضح لفظوں میں نکاح کا پیغام دینا حرام ہے۔	92
52	مسئلہ نمبر ۴۸: مہر کا واجب ہونا یا نہ ہونا، غیر مدخولہ مطلقہ کو جوڑا دینے کا بیان۔	93
53	مسئلہ نمبر ۴۹: طلاق کا اختیار صرف مرد کو ہے، کورٹ کسی کی بیوی کو طلاق نہیں دے سکتی۔	95
54	مسئلہ نمبر ۵۰: پانچوں نمازوں کی فرضیت اور درمیانی نماز کا بیان۔	96
55	مسئلہ نمبر ۵۱: بیوہ کی سال بھر کی عدت اور اس کے لیے سال بھر کے نان ونفقہ کی وصیت کا حکم منسوخ ہے۔	97

56	مسئلہ نمبر ۵۲: جس بستی میں وباء یا طاعون پھیل جائے وہاں سے فرار ممنوع ہے۔	98
57	مسئلہ نمبر ۵۳: اللہ تعالی تبرکات کی تعظیم اور ان سے وسیلہ کرنے کا ذکر فرماتا ہے۔	100
58	مسئلہ نمبر ۵۴: دین میں زبردستی نہ کرنے کی حقیقت۔	102
59	مسئلہ نمبر ۵۵: احسان جتانے اور طعنہ زنی سے صدقات ضائع ہوجاتے ہیں۔	103
60	مسئلہ نمبر ۵۶: مالِ تجارت کی زکوۃ اور عشر کی فرضیت اور زکوۃ میں ردی مال دینے کی مذمت۔	104
61	مسئلہ نمبر ۵۷: دین کی خدمت کرنے والے سب سے بڑھ کر صدقات کے مستحق ہیں۔	105
62	مسئلہ نمبر ۵۸: سود کی حرمت، تعریف اور عذاب کا بیان۔	106
63	مسئلہ نمبر ۵۹: اللہ سود کو مٹاتا ہے اور صدقہ کو بڑھاتا ہے۔	109
64	مسئلہ نمبر ۶۰: سود کے ذریعے خدا تعالی سے اعلانِ جنگ کرنے اور تنگدست کو مہلت دینے کا بیان۔	110
65	مسئلہ نمبر ۶۱: قرض، بیع سلم اور ادھار لین دین کے لکھنے اور اس معاملہ پر گواہ بنانے کا استحباب۔	112
66	مسئلہ نمبر ۶۲: رہن کا بیان۔	115

67	مسئلہ نمبر ۶۳: وہ کون سا خیال ہے کہ جس پر اللہ تعالیٰ پکڑ فرمائے گا؟	116
68	مسئلہ نمبر ۶۴: ضروریاتِ ایمان کے چار درجے ہیں۔	118
69	مسئلہ نمبر ۶۵: اللہ کسی جان کو اس کی طاقت سے بڑھ کر تکلیف نہیں دیتا اور ہر جان اپنے اعمال کا بدلہ ملے گا۔	119

Mufti Muneeb-ur-Rehman
Chairman: Central Moon Sighting Committee Pakistan.
President: Tanzeem ul Madaris Ahle Sunnat Pakistan.
Principal: Darul Uloom Naeemia Karachi.

مفتی منیب الرحمٰن
[illegible]

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

علامہ مفتی محمد ابوبکر صدیقی صاحب نے جامع مسجد یاسین آباد فیڈرل بی ایریا کراچی میں درس قرآن کا سلسلہ شروع کیا ہے جس کی آج کل شدید ضرورت ہے تاکہ لوگوں کو قرآن سے مانوس کیا جائے اور انہیں تعلیمات قرآنی سے آگاہی نصیب ہو۔ مفتی صاحب نے طوالت سے بچتے ہوئے اختصار سے کام لیا ہے تاکہ [illegible] قرآن کی سورتوں کے مضامین [illegible] احکام اور مطالب و مفاہیم سے آگاہ ہو سکیں۔

مفتی صاحب نے عامۃ المسلمین کے افادے کے لیے نہایت اچھا کام کیا کہ احکام قرآنی کو [illegible] اختصار کے ساتھ مرتب کر دیا ہے۔ ان کے دروس قرآن کا پہلا مجموعہ سورۃ البقرہ کے مضامین پر مشتمل ہے۔ میں اس کی تحسین کرتا ہوں اور دعا کرتا ہوں کہ زیادہ سے زیادہ لوگ اس سے مستفید ہوں۔

آمین۔

20 [illegible] 2015ء

منیب الرحمٰن

مفتی منیب الرحمٰن

پیش لفظ

الحمد لله ربّ العالمين والصّلاة والسلام على سيّد الأنبياء والمرسلين وعلى آله وأصحابه أجمعين۔

اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے جامع مسجد یٰسین آباد میں درس قرآن کے سلسلے میں سورہ بقرہ شریف کا اختتام ہوا چاہتا ہے۔ راقم الحروف نے ارادہ کیا کہ عوام بھائیوں کو تفسیر قرآن کے بعد قرآن کریم کی مزید تعلیمات سے مزین کرنے کے لیے بزرگانِ دین کی پیروی کرتے ہوئے مختصر اور آسان زبان میں سورۂ بقرہ شریف کا خلاصہ اور سورۂ بقرہ کے فقہی مسائل کتابی شکل میں مہیا کئے جائیں؛ تاکہ قرآنِ مجید کو سمجھنے اور اس کے اہم فقہی مسائل کو یاد رکھنے اور عمل کرنے میں آسانی ہو۔ اسی سلسلے میں یہ ناقص کوشش کی گئی ہے۔ اللہ تعالیٰ قبول فرمائے اور ہم سب کے لیے نفع کا باعث بنائے۔ ان شاءاللہ آئندہ بھی یہ سلسلہ جاری رہے گا۔ اس سلسلے میں مسجد انتظامیہ اور اُن تمام احباب کا شکریہ ادا کروں گا کہ جن کے تعاون سے یہ سب کچھ ممکن ہوا۔ اللہ تعالیٰ سب کو دنیا و آخرت میں جزائے خیر عطا فرمائے۔ آمین!

افقر العباد محمد ابو بکر صدیق القادری الشاذلی

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

الحمد لله ربّ العالمين والصّلاة والسلام على سيّد الأنبياء والمرسلين وعلى آله وصحبه أجمعين والعاقبة للمتّقين.

سورۂ بقرہ کا خلاصہ

سورۂ بقرہ قرآنِ کریم کی طویل ترین سورت ہے جس میں شریعتِ اسلامی کے بہت اہم فقہی اَحکام کے ساتھ ساتھ توحید الٰہی، رسالت ونبوت، اعجازِ قرآن، اہلِ کتاب ومشرکین سے مناظرہ اور اہم دعائیں تعلیم کی گئی ہیں۔ اکثر فقہی مسائل "اَحکامِ قرآن" کے تحت بیان کئے جائیں گے، اور خلاصہ میں وہ باتیں بیان کی جائیں گی جو سورۂ بقرہ کے عمومی مضامین کو شامل ہیں۔

یہ سورتِ مبارکہ مدنی ہے۔ اس میں دو سو چھیاسی (۲۸۶) آیات، چالیس (۴۰) رکوع، چھ ہزار ایک سو اکیس (۶۱۲۱) کلمات اور پچیس ہزار پانچ سو (۲۵۵۰۰) حروف ہیں۔

سورۂ مبارکہ کی ابتداء ﴿الم﴾ سے ہوتی ہے، جو حروفِ مقطعات میں سے ہے اور اس کا حقیقی معنیٰ اللہ تعالیٰ اور اس کے بتانے سے اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی جانتے ہیں۔ سورۂ فاتحہ میں دعا کی تھی کہ تو ہمیں سیدھے راستہ پر چلا دے تو یہاں انھیں قرآن عظیم دے کر کہا کہ: "یہ قرآن سیدھا راستہ اور اللہ سے ڈرنے والوں کے لیے ہدایت ہے"۔ پھر اُن ڈرنے والوں یعنی مؤمنین کی چھ علامتیں بیان کیں۔(۱) غیب پر ایمان رکھتے ہیں (۲) نماز قائم کرتے ہیں (۳) اللہ کے دیئے مال میں سے اللہ کی راہ میں خرچ کرتے ہیں (۴) جو ایمان رکھتے ہیں اُس وحی پر جو آپ

صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پہلے انبیاء پر نازل ہوئی اور جو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر نازل ہوئی قرآن وحدیث کی صورت میں (٦) اور قیامت کا یقین رکھتے ہیں۔

اس کے بعد ہلاک ہوجانے والے دو گروہ کفار اور منافقین کی علامتیں بیان فرمائیں۔ کفار کی علامت بیان کی کہ وہ کھلم کھلا اسلام، قرآن اور صاحبِ قرآن صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا انکار کرتے ہیں۔ اور اپنی گمراہی میں اتنے بڑھ گئے ہیں کہ اُن کے واپس لوٹنے کی امید نہیں؛ کیونکہ وہ حق کو دیکھنا، سننا اور سمجھنا ہی نہیں چاہتے۔

دوسرے رکوع میں منافقین کی تیرہ علامتیں اور اُن کے رد میں دو تمثیلیں بیان کیں۔ منافقین کی علامات کا خلاصہ یہ ہے کہ وہ دل میں کفر رکھتے ہیں اور اہلِ ایمان کو اپنے زعم میں بے وقوف بنانے کے لیے زبان سے ایمان کا اظہار کرتے ہیں۔ اور عام مؤمنین بلکہ گذشتہ بزرگ مسلمانوں کو بھی بے وقوف گردانتے ہیں۔

تیسرے رکوع کی میں توحیدِ ربانی، قرآن اور اسلام کی حقانیت کے دلائل بیان فرمائے۔ قرآن پر شک کرنے والوں کو قرآن جیسی صرف ایک ہی سورت بنانے کا چیلنج کیا گیا مگر وہ اس میں آج تک کامیاب نہ ہوسکے۔ اور بتادیا کہ قرآن بہت لوگوں کو ہدایت دیتا ہے، مگر جن کے دل ٹیڑھے، جو اللہ کے عہد کو توڑیں، قطع رحمی کریں، زمین پر فساد پھیلائیں وہ لوگ قرآن پڑھ کر مزید گمراہ ہوجاتے ہیں (واضح رہے کہ قرآن بذاتِ خود کسی کو گمراہ نہیں کرتا بلکہ اس میں بیان کردہ مثالوں کی وجہ سے لوگ گمراہ ہوجاتے ہیں)۔ رکوع کے آخر میں فرمایا کہ زمین میں جو کچھ ہے وہ اللہ نے انسان ہی کے لیے پیدا کیا ہے۔

چوتھے رکوع میں پہلے انسان، پہلے نبی سیدنا آدم علیہ السلام کی خلافت، تعلیم، تعظیم، سجودِ ملائکہ، انکارِ ابلیس اور آدم و حوا علیہم السلام کے جنت میں ٹھہرنے، اُنکے اور ابلیسِ لعین کے زمین پر آنے، آدم علیہ السلام کی قبولیتِ توبہ اور شیطان کی انسان سے دشمنی کا ذکر کیا گیا ہے۔ مختصر یہ کہ اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو اپنا خلیفہ بنایا اور انھیں علمِ اسماء عطا فرما کر اُن کی فرشتوں پر افضلیت ظاہر کی اور پھر تمام فرشتوں نے حکمِ الٰہی پر آدم علیہ السلام کو سجدۂ تعظیمی کیا اور ابلیس نے سجدے سے انکار کیا۔ سیدنا آدم و حوا علیہما السلام ایک عرصہ جنت میں رہے۔ حقیقۃً بتقدیرِ الٰہی اور ظاہراً شیطان کی سازش کی وجہ سے زمین کی طرف روانہ کئے گئے اور ساتھ ہی ابلیس کو بھی زمین کی طرف لعنت کے ساتھ دھتکارا گیا اور بتادیا کہ زمین پر انسان اور ابلیس کی دشمنی جاری رہے گی۔ اور یہ بھی بتادیا گیا کہ ہماری طرف سے تمھاری جانب ہدایت آئیگی جو اُس کی پیروی کرے گا وہ ہمیشہ کے لیے کامیاب ہوجائیگا اور جو انکار کرے گا وہ دائمی طور پر جہنمی ہوجائیگا۔

پانچویں رکوع سے سولہویں رکوع تک روئے سخن بنی اسرائیل کی طرف ہے۔ بنی اسرائیل یعنی اسرائیل کی اولاد۔ اسرائیل حضرت یعقوب بن اسحاق بن ابراہیم علیہم السلام کا لقب ہے، جس کا معنیٰ عبداللہ یعنی اللہ کا بندہ ہے۔ بنی اسرائیل دو بڑے گروہ، یہودی اور عیسائی میں تقسیم ہوئے اور یہ ہی لوگ اہلِ کتاب بھی کہلاتے ہیں۔ اِن بارہ رکوع میں بنی اسرائیل کو کبھی اللہ کی نعمتیں یاد دلا کر، کبھی عذاب سنا کر اور کبھی دلائل کے ساتھ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پیروی کی طرف بلایا گیا۔ بہرحال اِن ۱۲ رکوع میں جو کچھ بیان فرمایا گیا، پانچویں رکوع میں بطورِ تمہید سب کچھ

بیان کردیا گیا ہے۔ پانچویں رکوع میں اہلِ کتاب کو فرمایا گیا کہ اے بنی اسرائیل! میری نعمتوں کو یاد کرو اور مجھ سے کئے ہوئے عہد کو پورا کرو تو میں تم سے کیا ہوا عہد پورا کرونگا۔ قرآن پر ایمان لے آؤ اور میری آیات کو دنیا کے بدلے مت بیچو۔ حق کو باطل سے نہ ملاؤ اور نہ ہی حق کو چھپاؤ۔ نماز قائم کرو، زکوۃ ادا کرو اور رکوع کرنے والوں یعنی مسلمانوں کے ساتھ رکوع کرو۔ اللہ کی کتاب پڑھنے کے باوجود لوگوں کو تبلیغ کرتے ہو اور خود کو بھول جاتے ہو۔ صبر اور نماز سے مدد طلب کرو۔ اور بے ایمانوں پر نماز بھاری ہے۔ المختصر اس رکوع میں بنی اسرائیل کے مرض کو بیان کرکے اُس کی دوا بھی بتادی گئی ہے۔

چھٹے رکوع سے سولہویں رکوع تک اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل پر جو نعمتیں نازل فرمائیں اُن کا خلاصہ یہ ہے کہ: (۱) بنی اسرائیل کو زمانے پر فضیلت دی گئی تھی (۲) فرعون کے ظلم وستم سے نجات عطا کی جو اُن کے لڑکوں کو قتل کرتا تھا اور لڑکیاں چھوڑ دیتا تھا۔ (۳) اُن کے لیے سمندر میں راستہ بنادیا تھا۔ (۴) فرعون اور اُس کے لشکر کو اُن کی آنکھوں کے سامنے غرق کردیا تھا۔ (۵) موسیٰ علیہ السلام کے کوہِ طور پر جانے کے بعد انھوں نے بچھڑے کو پوجنا شروع کردیا تھا، مگر اللہ نے کچھ لوگوں کا بطورِ توبہ قتل کے بعد وہ گناہ معاف کردیا تھا۔ (۶) موسیٰ علیہ السلام کو توریت عطا فرمائی۔ (۷) پھر انھوں نے کہا کہ ہم اللہ کو سر کی آنکھوں سے دیکھیں گے تو بجلی کی کڑک نے اُن ستر آدمیوں کو کو مار دیا تھا مگر اللہ نے انھیں دوبارہ زندہ کردیا۔ (۸) وادی تیہ میں اُن پر سایہ کے لیے بادل ساتھ کئے تھے۔ (۹) من وسلویٰ (آسمانی کھانا) نازل کیا۔ (۱۰) تیہ کے صحراء میں بارہ چشمے جاری کئے۔ (۱۱) پانی پر لڑائی سے

بچانے کے لیے ہر قبیلے کو اُس کے چشمے کی رہنمائی کی۔ پھر تم نے آسمانی کھانے کی ناشکری کرتے ہوئے زمینی کھانا مانگا تو ہم نے تم پر ذلت مسلط کردی۔ ذلت مسلط کرنے اور اللہ کے غضب کے مستحق ہونے کی وجہ یہ ہے وہ لوگ اللہ کی آیتوں کا انکار کرنے لگے اور انبیاء کو بلاوجہ قتل کرتے تھے۔

آٹھویں رکوع میں توبہ کرکے اسلام قبول کرنے والوں کو تسلی دی اور ڈھارس بندھائی کہ اللہ اُن کو جنت میں داخل کرے گا۔ پھر بنی اسرائیل کی بری حرکت کو بیان کیا کہ تم پر کوہِ طور بلند کرکے زبردستی عہد لیا تھا، مگر بعد میں تم دوبارہ مکر گئے۔ پھر ہفتہ کے شکار کے حکم کی نافرمانی کرنے والوں کی سزا یاد دلائی کہ ہم نے عبرت کے لیے انھیں ذلیل بندروں میں تبدیل کردیا تھا۔ پھر گائے ذبح کرنے کے واقعہ کو بنی اسرائیل کی موشگافیوں کے ساتھ تفصیلاً بیان کیا۔ واقعہ یوں تھا کہ بنی اسرائیل میں ایک شخص نے جلدی میراث حاصل کرنے کے لیے اپنے مورَث کو قتل کرکے دوسری بستی میں ڈال اور خود روتا دھوتا موسیٰ علیہ السلام کی بارگاہ میں حاضر ہوا کہ قاتل کا پتہ لگائیے۔ موسیٰ علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے حکم دیا کہ ایک گائے ذبح کرکے اُس کا گوشت مقتول کے جسم پر لگائیے وہ قاتل کے بارے میں بتادے گا۔

نویں رکوع کی ابتداء میں بتایا کہ گائے اس لیے ذبح کروائی تھی کہ اُس کا گوشت مقتول کے جسم پر لگانے سے وہ زندہ ہوکر اپنے قاتل کی خبر دے گا۔ مگر اُس کے باوجود تم منکر ہوگئے۔ اور تمھارے دل پتھروں سے بھی زیادہ سخت ہوگئے۔ پھر مسلمانوں سے خطاب کرکے فرمایا کہ تم اُن کے مسلمان ہونے کی تمنا کرتے ہو حالانکہ یہ وہ لوگ ہیں جو جان بوجھ کر کفر پر اَڑے ہوئے ہیں اور منافقت کررہے

ہیں۔ اور بعض لوگ اُن میں سے نرے جاہل، انگوٹھا چھاپ ہیں جن کو اُن کے مذہبی پیشواؤں نے نجات و جنت کے جھوٹے وعدوں سے بے وقوف بنایا ہوا ہے۔ پس اُن سب کے لیے ہلاکت ہے۔ پھر اُن کا دعوی بیان کیا کہ وہ کہتے ہیں ہمیں جہنم کی آگ چند روز ہی جلائے گی اور اُس کا مناظرانہ انداز میں جواب دیا کہ کیا تم سے اللہ نے کوئی وعدہ کیا ہے یا اللہ پر بہتان باندھ رہے ہو۔ پھر فرمایا کہ جس کے گناہ اُسے ڈھانپ لیں وہ ہمیشہ کے لیے جہنمی ہے اور جو ایمان لائیں اور نیک اعمال کریں وہ ہمیشہ کے لیے جنتی ہیں۔

دسویں رکوع میں بنی اسرائیل سے لیے گئے دو عہد اور اُن سے متعلق بنی اسرائیل کی عہد شکنی بیان فرمائی۔ پہلا عہد: اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کرنا، والدین، قریبی رشتہ دار، یتیموں اور مسکینوں سے حسنِ سلوک، اور لوگوں سے اچھی بات کہنا، نماز قائم کرنا، زکوۃ دینا۔ دوسرا عہد: یہ کہ آپس میں قتال نہ کرنا اور نہ ایک دوسرے کو جلاوطن کرنا۔ پھر اُن کا شرعی احکام کی خلاف ورزی پر حیلہ سازیوں کا ذکر کر کے سزا بیان کی کہ تمھارے لیے دنیا میں ذلت اور آخرت میں شدید ترین عذاب ہے۔

گیارہویں رکوع میں بنی اسرائیل کی انبیاء کرام علیہم السلام سے متعلق روش ذکر کی کہ تم نے بعض رسولوں کو جھٹلایا اور بعض کو شہید کیا۔ پھر قرآنِ مجید کے نزول اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تشریف آوری کا ذکر کیا کہ تم لوگ اِن کے ظہور سے پہلے اِن ہی کے وسیلے سے دعا کیا کرتے تھے، لیکن جب وہ تشریف لائے تو تم نے حسد کی وجہ سے اِن کا بھی انکار کر دیا۔ لہٰذا تم لوگ غضبِ الٰہی کا شکار ہوئے۔ پھر مناظرانہ

اندازمیں اُن کی اِس نافرمانی کا اصل سبب بیان کرتے ہوئے فرمایاکہ یہ لوگ دنیاکی زندگی پر فریفتہ ہیں اور مرناہی نہیں چاہتے۔اور انھیں چیلنج کیاکہ اگر تم سچے ہوتو موت کی تمناکرو مگر کسی یہودی نے موت کی تمنانہیں کی۔

بارہویں رکوع میں بنی اسرائیل نے اسلام نہ قبول کرنے کا بہانہ بنایاکہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر وحی جبرئیل علیہ السلام لے کرآتے ہیں وہ ہمارے دشمن ہیں۔اللہ تعالیٰ نے فرمایاکہ جو ہمارے پیاروں کا دشمن ہے تواللہ تعالیٰ اِن کافروں کادشمن ہے۔ اور فرمایاکہ جبرئیل کا بہانہ نہ بناؤبلکہ نافرمانی اِن کی شروع ہی سے روش رہی ہے۔پھر سلیمان علیہ السلام کی جادو سے برأت بیان کی اور بتایاکہ بنی اسرائیل شیاطین کے جادوکی پیروی کرنے لگے تھے۔اِسی ضمن میں ہاروت وماروت اور اُن کے جادو سکھانے کاذکرکیا۔اور جادو کارد فرمایااور اسے ایمان کے منافی قراردیا۔

تیرھویں رکوع میں سرکارِدوعالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بارگاہ میں عرض گذاری کے ادب کوبیان کرتے ہوئے فرمایاکہ انھیں ﴿رَاعِنَا﴾ نہ کہیں بلکہ ﴿اُنْظُرْنَا﴾ کہہ کرعرض کریں۔اور بتایاکہ اہلِ کتاب نہیں چاہتے کہ اللہ مسلمانوں پراپنی نعمت نازل فرمائے۔پھر ناسخ ومنسوخ کاذکر فرمایا اور اہلِ کتاب کی دلی رنجش بیان کی کہ وہ مسلمانوں کوکافربنانے کے درپے ہیں مگراے مسلمانو! تم ابھی عفو ودرگزر سے کام لواور نماز قائم کرو، زکوۃ اداکروکہ تم اپنے صدقات کو اللہ کے یہاں بہترحالت میں پاؤگے۔پھر اہلِ کتاب کا باطل قول کہ جنت میں صرف یہودی یاعیسائی داخل ہونگے، ذکرکرکے مناظرانہ انداز میں ردکیاکہ اپنے اِس قول پرکوئی دلیل پیش

کرو۔ اور فرمایا کہ جنت کا وہی حق دار ہے جو اللہ تعالیٰ اور رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فرمانبردار ہے۔

چودھویں رکوع میں یہود و نصاریٰ کے آپس کے اختلاف کو ذکر کیا کہ وہ ایک دوسرے کو غلط گردانتے ہیں حالانکہ دونوں ہی آسمانی کتاب پڑھتے ہیں۔ پھر مسجد میں ذکرِ الٰہی سے روکنے والوں کا رد کیا اور اُن کے لیے آخرت کا دردناک عذاب بیان کیا۔ خدا کے لیے بیٹا گھڑنے کا رد کیا اور بتایا کہ سب کچھ اُسی کی مخلوق ہے۔ اور مشرق و مغرب اللہ کے لیے ہیں اور جدھر تم منہ پھیرو وہاں اللہ کو پاؤ گے۔ یہود و نصاریٰ کا قول کہ اللہ ہم سے براہِ راست کلام کیوں نہیں کرتا، اِس کا رد کر کے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حقانیت کو بیان فرمایا کہ بے شک ہم نے آپ کو حق کے ساتھ خوشخبری دینے والا اور ڈرسنانے والا بنا کر بھیجا ہے۔ اور اِس حقیقت کو بیان کیا کہ یہود و نصاریٰ تم سے اُس وقت تک راضی نہ ہونگے جب تک تم اُن کی پیروی نہ کرنے لگ جاؤ۔

پندرھویں رکوع میں ابراہیم علیہ السلام، اسمٰعیل علیہ السلام، خانۂ کعبہ اور مکۂ معظمہ کی تعظیم و اہمیت کو ذکر کیا۔ سیدنا ابراہیم علیہ السلام وہ عظیم شخصیت ہیں کہ جن کو یہودی، عیسائی اور مسلمان سب مانتے تھے۔ چونکہ آئندہ قبلہ کی تبدیلی کا ذکر کرنا تھا اور مسلمانوں کو بیت المقدس سے پھیر کر خانۂ کعبہ کی طرف کرنا تھا۔ اس لیے خانۂ کعبہ کی اہمیت کے لیے ابراہیم علیہ السلام کا ذکر کیا؛ تاکہ یہودیوں اور عیسائیوں پر حجت ہو۔ اِس سلسلے میں تعمیرِ کعبہ اور ابراہیم علیہ السلام کی محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بعثت کی دعا بھی ذکر کی۔ اور فرمایا کہ جو ابراہیم علیہ السلام کے طریقے سے الگ ہوں وہ بے وقوف ہیں۔ پھر ابراہیم علیہ السلام اور یعقوب علیہ السلام کی وصیت ذکر کی کہ

صرف اللہ ہی کی عبادت کرنا۔ اور یہود ونصاری سے فرمایا کہ کیا تم اُس وصیت کے وقت موجود تھے؟ پھر یہود ونصاری کے باطل قول کہ: "تم یہودی یا نصرانی ہوجاؤ تو ہدایت پا جاؤ گے"، کا ذکر کرکے رد کیا کہ ہدایت ملتِ ابراہیمی کی پیروی میں ہے اور ابراہیم علیہ السلام مشرک نہیں تھے اور نہ وہ یہودی تھے اور نہ ہی عیسائی کہ یہ دونوں مذہب بعد میں بنے اور اُن کا قبلہ خانۂ کعبہ یعنی بیت اللہ تھا۔ بہرحال بنی اسرائیل کو نہایت مضبوط طرزِ استدلال سے باور کروایا کہ ابراہیم واسحاق واسماعیل اور یعقوب علیہم السلام کے عقائد تمھارے جیسے نہ تھے۔ تمھیں اپنے عقائد واعمال کا حساب دینا ہے۔

سترہویں رکوع سے دوسرے پارے کا آغاز ہوتا ہے۔ اور سترہویں اور اٹھارویں رکوع میں تحویلِ قبلہ سے متعلق یہود ونصاری کے اعتراضات کو پیشگی لکھ کر اُن کا جواب دیا گیا ہے۔ امتِ مسلمہ کو بہترین امت قرار دیا گیا اور بتایا گیا کہ بروزِ قیامت امتِ مسلمہ انبیاء علیہم السلام کے حق میں تمام کفار کے خلاف گواہی دے گی، اور محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اُس گواہی کی حقانیت کی گواہی دینگے۔ حبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے فرمایا گیا کہ ہم آپ کو آپ کے محبوب قبلہ کی طرف پھیر دینگے اور پھر بیت اللہ شریف کو قبلہ بنانے کا حکم دیا اور تحویلِ قبلہ کا سبب یہ بتایا گیا کہ محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سچے جانثاروں کو جھوٹوں سے ممتاز کردیا جائے۔ اور مسلمانوں کو تنبیہ کی گئی کہ یہود ونصاریٰ ہرگز تمھارے قبلہ کو رخ نہ کرینگے بلکہ یہ خود ایک دوسرے کے قبلہ پر اعتراض کرتے ہیں۔ اور اٹھارویں رکوع کے آخر میں محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نبوت اور فرائضِ منصبی کا ذکر فرمایا۔

انیسویں رکوع میں روئے سخن مسلمانوں کی طرف ہے اور کہیں کہیں اہلِ کتاب کو تنبیہ کی گئی ہے۔ اِس رکوع میں ذکر اللہ اور شکر کرنے کا حکم دیا اور صبر اور نماز کے ذریعے سے مدد طلب کرنے کا حکم دیا گیا۔ شہید کو مردہ کہنے سے منع اور اُس کی حیات کا ذکر کیا گیا۔ پھر بتایا کہ اہلِ ایمان کی خوف، بھوک، جان و مال اور پھلوں میں نقصان کر کے آزمائش کی جاتی ہے۔ جو اِس پر صبر سے کام لے وہ اللہ کی رحمت میں ہے اور ہدایت یافتہ ہے۔ پھر صفا و مروہ کی سعی کا ذکر کیا گیا۔ فرمایا کہ جو حق کو چھپائے اُس پر اللہ اور تمام لعنت کرنے والوں کی لعنت ہے مگر جو توبہ کر لے اور جو توبہ نہ کرے وہ ہمیشہ کے عذاب میں رہیگا۔ پھر رکوع کے آخر میں توحیدِ الٰہی کا ذکر کر کے اگلے رکوع میں توحید کے دلائل بیان کئے۔

بیسویں رکوع کے شروع میں مظاہرِ فطرت کو توحیدِ الٰہی کی دلیل کے طور پر پیش کیا گیا۔ اور فرمایا گیا کہ جو خدا کے علاوہ دیگر چیزوں کی پوجا کرتے ہیں اور اُن سے خدا کی سی یا اُس سے بڑھ کر محبت کرتے ہیں جب وہ عذاب دیکھیں گے تو اپنے جھوٹے خداؤں سے بیزاری کا اعلان کریں گے اور وہ جھوٹے خدا اُن سے بیزاری ظاہر کریں گے، مگر اُس وقت یہ افسوس کام نہ آئے گا۔

اکیسویں رکوع میں زمین سے حلال و پاکیزہ کھانے اور شیطان کی پیروی سے بچنے کا حکم دیا کہ وہ تمھارا کھلا دشمن ہے۔ مردار، خون، خنزیر اور اُس جانور کی حرمت بیان کی جس پر ذبح کے وقت غیرِ خدا کا نام لیا گیا ہو اور اضطرار کی حالت میں بقدرِ ضرورت جواز کا حکم بیان کیا۔ پھر یہود و نصاری کا رد فرمایا کہ یہ لوگ دنیاوی مال و متاع کی وجہ سے حق کو چھپاتے ہیں اور اپنے پیٹ میں آگ بھرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ

بروزِ قیامت غضب کی وجہ سے اُن سے کلام نہ فرمائے گا اور نہ ہی انھیں گناہ سے پاک کرے گا۔

بائیسویں رکوع میں نیکی کی اصل بیان فرمائی۔ پھر قصاص کا حکم، اُس میں معافی و صلح اور اُس کے بعد وصیت کے اَحکام بیان فرمائے۔

تیئسویں رکوع میں روزے، دعا اور اعتکاف کے مسائل بیان فرمائے اور آخر میں ایک دوسرے کے مال کو ناجائز طریقوں سے حاصل کرنے سے منع فرمایا۔

چوبیسویں رکوع میں ہلال (نیا چاند)، حج اور جہاد کے بعض اہم مسائل بیان فرمائے۔

پچیسویں رکوع میں بھی حج کے مسائل بیان کئے اور تعلیم دی گئی کہ اللہ سے صرف دنیاوی بھلائی طلب کرنے کے بجائے دنیا و آخرت کی بھلائی طلب کی جائے۔ پھر منافق کی علامت بتائی کہ اُس کی باتیں بڑی اچھی ہوتی ہیں مگر وہ شخص کھیتی اور نسل تباہ کرکے زمین میں فساد برپا کرنا چاہتا ہے۔ اور جب اُسے توبہ کرنے کو کہا جائے تو وہ تکبر کی وجہ سے گناہ پر اڑ جاتا ہے، ایسے آدمی کا ٹھکانہ جہنم ہے۔ اِس کے مقابلے میں مومن اللہ کی رضا کے لیے اپنی جان داؤ پر لگا دیتا ہے۔ پھر آخر میں اہلِ ایمان کو اسلام میں پورا پورا داخل ہونے اور شیطان کی پیروی سے رکنے کا حکم دیا۔

چھبیسویں رکوع میں نبی علیہ الصلوۃ والسلام کے ذریعے بنی اسرائیل کو تنبیہ کروائی۔ اور بتایا کہ لوگ ایک ہی امت تھے مگر جب اُن میں اختلاف ہوا تو اُن کی ہدایت کے لیے پیغمبر بھیجے گئے۔ مگر اُن میں سے کچھ لوگ جانتے بوجھتے حسد کی وجہ سے اختلاف پر قائم رہے۔ پھر مؤمنین کی تربیت کے لیے فرمایا کہ جنت میں داخلہ

آزمائش کے بغیر نہیں ہوسکتا کہ تم سے پچھلی امتوں کی بھی آزمائش کی گئی تھی۔ اِس کے بعد انفاق فی سبیل اللہ اور جہاد کا مسئلہ بیان کیا۔

ستائیسویں رکوع میں چند سوالوں کے ضمن میں حرمت والے مہینوں میں قتال کرنے، شراب اور جوئے کی برائی، اللہ کی راہ میں خرچ کرنے کا حکم، یتیموں کے مال کے مسائل اور مسلم و غیر مسلم کے مابین نکاح کی ممانعت بیان فرمائی۔

اٹھائیسویں رکوع میں حیض، میاں بیوی کی قربت، قسم، ایلاء، طلاق کی عدت، رجعی طلاق کی صورت میں رجوع کرنے کے مسائل اور مرد و عورت کے حقوق کے متعلق بیان فرمایا۔

انتیسویں رکوع میں طلاقِ رجعی، خلع، تین طلاق اور حلالے کے مسائل بیان کئے گئے ہیں۔ اور زمانۂ جاہلیت کے قانون کو منسوخ کرکے امتِ مسلمہ کو بتادیا کہ میاں بیوی کا رجوع دو طلاق کی حد تک ہوسکتا ہے۔ اگر تین طلاقیں دے دیں تو پھر رجوع کی گنجائش نہیں۔

تیسویں رکوع میں عورت کے اولیاء کو حکم دیا کہ اگر طلاقِ رجعی کے بعد عورت رجوع کے ذریعے اپنے سابقہ شوہر کے ساتھ جائز طریقے سے رہنا چاہے تو انھیں نہ روکو۔ پھر رضاعت (دودھ پلانے)، رضاعت کی مدت، دایہ کی اُجرت وغیرہ بعض اہم مسائل بیان کئے گئے۔ اِس کے بعد غیر حاملہ بیوہ کی عدت چار ماہ دس دن بیان کی اور فرمایا کہ دورانِ عدت نکاح تو در کنار کھلے لفظوں میں منگنی کا پیغام بھی دینا ناجائز ہے۔

اکتیسویں رکوع میں مہر کے چند مسائل بیان کئے۔ نمازوں اور خاص طور پر درمیانی نماز کی محافظت اور ہر حالت میں اللہ تعالیٰ کے ذکر کی تاکید کی گئی۔ بیوہ کے متعلق منسوخ حکم اور مطلقہ عورتوں کو متعہ (جوڑا) دینے کا ذکر فرمایا۔

بتیسویں رکوع میں بنی اسرائیل کے ایک گروہ کا ذکر کیا جن کی تعداد ۸۰۰۰۰ سے زائد تھی۔ جب اُن کے علاقے میں طاعون کی وبا پھیلی تو سب جان بچانے کے لیے جنگل چلے گئے۔ وہاں اللہ نے اُن سب کو موت دیدی۔ اُن لوگوں کی ہڈیاں میدان میں پڑی ہوئی تھیں۔ اللہ کے نبی حضرت حزقیل بن سوریا علیہ السلام کا گذر ہوا۔ اللہ نے اُن کی دعا سے انھیں دوبارہ زندہ کرکے انھیں سبق دیا کہ زندگی اور موت سب اللہ کے ہاتھ میں ہے۔ پھر جہاد اور اللہ کی راہ میں خرچ کرنے کا حکم دیا۔ اِس سلسلے میں طالوت رضی اللہ عنہ کے واقعہ کو بیان کیا اور طالوت کی حقانیت پر تابوتِ سکینہ کے حصول کو بطورِ دلیل ذکر کیا۔ تابوت سکینہ وہ مقدس صندوق تھا کہ جس میں انبیاء کرام علیہم السلام کے تبرکات رکھے تھے۔ اور بنی اسرائیل جنگوں میں اِس کے وسیلے سے اللہ کی بارگاہ میں فتح کی دعا کرتے تھے۔

تینتیسویں رکوع میں بنی اسرائیل کے امتحان کا ذکر کیا جس میں اکثر بنی اسرائیل فیل ہوگئے۔ پھر جالوت کی قوم پر طالوت کی فتح اور بنی اسرائیل کی نافرمانی اور حضرت داؤد علیہ السلام کے جالوت کو موت کے گھاٹ اتارنے کا واقعہ ذکر کیا۔ اور فرمایا کہ اللہ تعالیٰ اِسی طرح بعض اَقوام کو بعض دیگر اَقوام کے ذریعے دفع فرماتا ہے، اگر ایسا نہ ہو تو زمین میں فساد برپا ہو جائے۔ پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر وحی کے

نزول اور انبیاء علیہم السلام کی ایک دوسرے پر فضیلت کو بیان کیا۔ اور بتادیا کہ زمین پر اختلاف واتفاق، امن وجنگ سب اللہ تعالیٰ کے ارادے کے تحت ہے۔

چونتیسویں رکوع سے ایک آیت پہلے ہی تیسرے پارے کا آغاز ہوجاتا ہے۔ اس رکوع کی ابتداء میں اللہ تعالیٰ نے موت سے پہلے پہلے اللہ کی راہ میں خرچ کرنے کی ترغیب دلائی۔ پھر آیت الکرسی شروع ہوتی ہے۔ یہ آیتِ مبارکہ قرآن کی تمام آیتوں کی سردار ہے۔ اور اِس کا پڑھنے والا شیطان، جنات، جادوگر اور دشمنوں سے محفوظ رہتا ہے۔ اِس آیتِ مبارکہ میں ذاتِ الٰہی اور اسکی صفاتِ مبارکہ کا ذکر کیا گیا ہے۔ اور اِس ضمن میں تمام باطل مذاہب، باطل عقیدوں کا رد کیا گیا ہے۔ پھر بعد کی دو آیات میں بتایا گیا کہ اب ہدایت گمراہی سے ایسے طور پر جدا کردی گئی ہے کہ متلاشیانِ حق کے لیے انکار کی گنجائش نہیں۔ اور اللہ مؤمنین کا دوست ہے اور کافروں کے دوست شیاطین ہیں۔

پینتیسویں رکوع میں سیدنا ابراہیم علیہ السلام کے نمرود سے مناظرہ اور اُس کی شکست، حضرت عزیر علیہ السلام کے سوسال بعد دوبارہ زندہ ہونے کا واقعہ اور ابراہیم علیہ السلام کے لیے ذبح کئے گئے پرندوں کو دوبارہ زندہ کئے جانے کا ذکر کیا گیا ہے۔

چھتیسویں رکوع میں انفاق فی سبیل اللہ یعنی اللہ کی راہ میں خرچ کرنے کی فضیلت بتائی کہ اِس کا ثواب سات سوگنا بلکہ اِس بھی زیادہ کردیا جاتا ہے۔ اور جو لوگ صدقہ کرنے کے بعد نہ احسان جتلائیں اور نہ ہی ایذاء دیں تو اُن کا اجر اللہ کے یہاں محفوظ کرلیا جاتا ہے اور اِس کے برعکس کرنے والے کا صدقہ ضائع ہوجاتا ہے۔ پھر

کافر ریاکار کے صدقات کے بطلان کو ایک تمثیل سے بیان کیا۔ اور اللہ کی رضا چاہنے والے مؤمن کو ایک دوسری تمثیل کے ذریعے بیان فرمایا۔ پھر ریاکار کے صدقات کے ضائع ہونے کو ایک بلیغ تمثیل سے بیان فرمایا کہ اُس کی نیکی اُس کے کام نہیں آئے گی۔

سینتیسویں رکوع کی ابتداء میں بھی انفاق فی سبیل اللہ کا ذکر ہے۔ اور اِس میں مالِ تجارت، زمین سے پیدا ہونے والی کھیتی و باغات اور معدنیات کی زکوۃ، عشر اور خمس کا حکم بیان فرمایا۔ اور حکم دیا کہ صدقات میں اچھا مال دو جو کبھی خود کو لینا پڑے تو لے سکو، اور ناقص مال نہ دو۔ اور بتایا کہ شیطان صدقات سے منع کرنے کے لیے فقر کا خوف دلاتا ہے اور بے حیائی کا حکم دیتا ہے۔ پھر حکمت کی بھلائی، نذر اور صدقات، اور صدقات کو اعلانیہ و پوشیدہ کرنے کا حکم ذکر فرمایا۔ اور بتایا کہ صدقات تمھاری مغفرت، مال میں اضافے اور گناہ کے کفارے کا باعث ہیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو تسلی دی کہ آپ کا کام راہِ ہدایت بتا دینا ہے جو آپ نے پورا کر دیا اور راہِ ہدایت پر چلانا اللہ کا کام ہے۔ پھر رکوع کے آخر میں غریب اہلِ دین مثلِ علماء، طلباء، مبلغین، ائمۂ مساجد، مؤذنین اور خادمین وغیرھم، کو صدقات دینے کی ترغیب دی کہ یہ لوگ دینی کاموں کی وجہ سے دنیا کمانے کے لیے نہیں نکل پاتے اور نہ ہی حیاء کی وجہ سے سوال کرتے ہیں۔

اڑتیسویں رکوع کی ابتداء میں دن رات اور اعلانیہ و پوشیدہ صدقات کی فضیلت بیان کرنے کے بعد سود خوروں کی مذمت بیان فرمائی اور سود کے حمایتی لوگوں کا رد فرمایا۔ پھر حکم دیا اے مسلمانوں! سود سے کنارہ کشی اختیار کر لو ورنہ تم جہنم

کے مستحق ہوجاؤ گے۔ اور فرمایا کہ اللہ صدقات کو بڑھاتا اور سود کو مٹاتا ہے اور جو سود کو چھوڑ کر ایمان لے آئیں اور نیک اعمال کریں اُن کا اجر اللہ کے یہاں ہے۔ پھر سود کو ترک کرنے کا حکم دیا اور سود نہ چھوڑنے کو اللہ تعالیٰ اور رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اعلانِ جنگ قرار دیا۔ پھر اخیر میں تنگ دست مقروض کو مہلت دینے اور معاف کرنے کی ترغیب دلائی اور پھر آخرت کے حساب وکتاب کا خوف دلایا۔

انتالیسویں رکوع میں ادھار لین دین کے بعض اہم مسائل بیان فرمائے۔ فرمایا کہ ادھار لین دین کرو تو اُسے لکھنا، اُس پر گواہ بنانا مستحب ہے۔ کاتب کو چاہیے کہ وہ لکھنے سے انکار نہ کرے۔ اور کم عقل یا کمزور آدمی خود نہ لکھ سکے تو اُس کے ولی کو چاہیے کہ اُس کی طرف سے لکھوادے۔ گواہ گواہی دینے میں سستی نہ کریں۔ کاتب اور گواہ کو بلاوجہ پریشان نہ کیا جائے۔ اگر سفر میں ہو اور لکھنے والا اور گواہ نہ ملے تو مقروض سے رہن رکھوالو۔ پھر قرض کی ادائیگی پر اُس کی امانت واپس لوٹادے۔ حق بات کی گواہی چھپانے سے منع فرمایا اور ایسے کو سخت گناہ گار قرار دیا۔

چالیسویں رکوع کی ابتداء میں فرمایا کہ گناہ کے پکے ارادے پر تمھاری باز پرس کی جائے گی اور نیکی کے پختہ ارادے پر اجر دیا جائیگا۔ بہرحال جسے اللہ چاہے معاف فرمادیگا اور جس کی چاہے پکڑ فرمائیگا۔ پھر ایمان مفصل کو بیان فرمایا اور بتایا کہ اہلِ ایمان از روئے نبوت ورسالت کسی نبی اور رسول میں فرق نہیں کرتے اور اللہ تعالیٰ کی اطاعت، مغفرت کی طلب اور اللہ ہی کی بارگاہ میں لوٹ جانے کا اقرار کرتے ہیں۔ پھر دین کا ایک بہت اہم اصول بیان فرمایا کہ اللہ کسی جان کو اُس کی طاقت سے بڑھ کر تکلیفِ شرعی نہیں دیتا۔ اِس کے بعد اخیر تک نہایت ہی اہم دعا تعلیم فرمائی۔

سورۂ بقرہ کی آخری آیات کی بہت فضیلت ہے اور طلبِ مغفرت کا اعلیٰ ذریعہ ہے۔ اور جہاں اِن آیات کو رات میں پڑھ لیا جائے تو وہ جگہ اور وہ لوگ ساری رات جادو، جنات اور شیاطین کے شر سے محفوظ رہتے ہیں۔

تمت بالخير والحمد لله ربّ العالمين وصلّى الله على سيّدنا ومولانا محمّد وآله وأصحابه وبارك وسلّم.

سورۂ بقرہ میں بیان کردہ احکام

مسئلہ نمبر ۱: اشیاء میں اصل اباحت ہے۔

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

هُوَ الَّذِيْ خَلَقَ لَكُمْ مَّا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا ۗ ثُمَّ اسْتَوٰٓى اِلَى السَّمَآءِ فَسَوّٰىهُنَّ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ ۭ وَھُوَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ۝۲۹

ترجمہ: وہی ہے جس نے تمھارے لیے بنایا جو کچھ زمین میں ہے، پھر آسمان کی طرف استواء (قصد) فرمایا تو ٹھیک سات آسمان بنائے وہ سب کچھ جانتا ہے۔

یہ آیتِ مبارکہ اِس بات پر کھلی دلیل ہے کہ زمین پر جو نعمتیں ہیں وہ اللہ تعالیٰ نے انسان کے لیے پیدا فرمائی ہیں۔ لہذا جب تک کسی چیز کی حرمت کی دلیل نہ پائی جائے اُسے حرام کہنا درست نہیں۔ اِسی طرح بعض دیگر اَحکام جن کا ذکر براہِ راست قرآن وحدیث میں کھلے لفظوں میں نہیں وہ جائز و درست ہیں جب تک اُن کی حرمت پر کوئی دلیلِ شرعی نہ ہو، مثلاً: قرآن کریم پر اعراب لگانا، نقطے لگانا، میلاد کرنا، فاتحہ پڑھنا وغیرہ اُمور۔ لہذا اِن اُمور سے بلاوجہِ شرعی منع کرنا یا اِن کے جواز پر دلیل طلب کرنا قرآن وسنت کی تعلیمات کے خلاف ہے۔ اِیسے معاملات میں اصول یہ ہے کہ جو منع کرے وہ قرآن وحدیث سے دلیل پیش کرے۔

مسئلہ نمبر ۲: نماز، زکوٰۃ، رکوع کی فرضیت اور جماعت کا وجوب۔

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَ اَقِیۡمُوا الصَّلٰوۃَ وَ اٰتُوا الزَّکٰوۃَ وَ ارۡکَعُوۡا مَعَ الرّٰکِعِیۡنَ ﴿۴۳﴾

ترجمہ: اور نماز قائم رکھو اور زکوٰۃ دو اور رکوع کرنے والوں کے ساتھ رکوع کرو۔

نماز اور زکوٰۃ کی فرضیت قرآنِ مجید میں متعدّد مقامات پر بیان کی گئی ہے اِسی طرح یہ آیتِ طیبہ بھی نماز اور زکوٰۃ کے فرض ہونے کی دلیل ہے۔ اور فرمایا گیا کہ "رکوع کرنے والوں کے ساتھ رکوع کرو" یہ نماز باجماعت کے واجب ہونے کی دلیل ہے۔ لہٰذا بغیر کسی شرعی مجبوری کے جماعت ترک کرنا ناجائز ہے۔

مسئلہ ۳: اللہ کی بارگاہ میں اللہ کے پیاروں کا وسیلہ جائز ہے۔

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَ لَمَّا جَآءَہُمۡ کِتٰبٌ مِّنۡ عِنۡدِ اللّٰہِ مُصَدِّقٌ لِّمَا مَعَہُمۡ ۙ وَ کَانُوۡا مِنۡ قَبۡلُ یَسۡتَفۡتِحُوۡنَ عَلَی الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا ۚۖ فَلَمَّا جَآءَہُمۡ مَّا عَرَفُوۡا کَفَرُوۡا بِہٖ ۫ فَلَعۡنَۃُ اللّٰہِ عَلَی الۡکٰفِرِیۡنَ ﴿۸۹﴾

ترجمہ: اور جب ان کے پاس اللہ کی وہ کتاب (قرآن) آئی جو اُن کے ساتھ والی کتاب (توریت) کی تصدیق فرماتی ہے اور اُس سے پہلے اِسی نبی کے وسیلہ سے کافروں پر فتح مانگتے تھے۔ تو جب تشریف لایا اُن کے پاس وہ جانا پہچانا اُس سے منکر ہو بیٹھے تو اللہ کی لعنت منکروں پر۔

آیتِ طیبہ میں اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب علیہ الصلوۃ والسلام کے وسیلۂ جلیلہ کا ذکر فرمایا ہے۔ مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ: سیدِ انبیاء صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بعثت اور قرآنِ کریم کے نُزول سے قبل یہود اپنی حاجات کے لیے حضور کے نامِ پاک کے وسیلہ سے دعا کرتے اور کامیاب ہوتے تھے اور اِن الفاظ میں دعا کیا کرتے تھے "اَللّٰهُمَّ افْتَحْ عَلَيْنَا وَانْصُرْنَا بِالنَّبِيِّ الْاُمِّيِّ" یارب! ہمیں نبی امی کے صدقہ میں فتح ونصرت عطا فرما۔ چنانچہ ظاہر ہوا کہ مقبولانِ حق کے وسیلہ سے دعا قبول ہوتی ہے۔ یہ بھی معلوم ہوا کہ حضور سے قبل جہان میں حضور کی تشریف آوری کا شہرہ تھا۔ اُس وقت بھی حضور کے وسیلہ سے خلق کی حاجت روائی ہوتی تھی۔

مسئلہ نمبر ۴: قرآن کا نسخ قرآن سے ثابت ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

مَا نَنْسَخْ مِنْ اٰيَةٍ اَوْ نُنْسِهَا نَاْتِ بِخَيْرٍ مِّنْهَآ اَوْ مِثْلِهَا ؕ اَلَمْ تَعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۱۰۶﴾ اَلَمْ تَعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ وَمَا لَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ مِنْ وَّلِيٍّ وَّلَا نَصِيْرٍ ﴿۱۰۷﴾

ترجمہ: جب کوئی آیت ہم منسوخ فرمائیں یا بھلا دیں تو اُس سے بہتر یا اُس جیسی لے آئیں گے۔ کیا تجھے خبر نہیں کہ اللہ سب کچھ کر سکتا ہے۔ کیا تجھے خبر نہیں کہ اللہ ہی کے لیے ہے آسمانوں اور زمین کی بادشاہی اور اللہ کے سوا تمھارا نہ کوئی حمایتی نہ مددگار۔

علامہ ملا جیون رحمۃ اللہ علیہ اس آیتِ طیبہ کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ: کفار حکم کے منسوخ ہونے پر اعتراض کرتے تھے اور کہتے تھے کہ دیکھو محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو کہ پہلے اپنے اصحاب کو کسی بات کا حکم دیتے ہیں پھر بعد میں اُس سے منع

کر کے اُس کے برخلاف کوئی حکم دے دیتے ہیں۔ کفار کا گمان تھا کہ یہ شرمندگی کی بات ہے اور اِس سے اللہ تعالیٰ کی جہالت و بیوقوفی لازم آتی ہے، حالانکہ کفار خود جاہل اور بے وقوف تھے؛ کیونکہ وہ نسخ کے اَسرار سے واقف نہ تھے۔ لہذا اللہ تعالیٰ نے اُن کفار کے رد میں یہ دو اور اِن کے علاوہ سورۂ نحل میں آیت نازل فرمائی۔ اور فرمادیا کہ اللہ تعالیٰ زمینوں اور آسمانوں کا بادشاہ ہے تم کون ہوتے ہو اعتراض کرنے والے۔ نسخ کی مختصر تفصیل یہ ہے (۱) اللہ تعالیٰ نے صرف آیت کی تلاوت منسوخ فرمائی مگر حکم باقی رکھا جیسے شادی شدہ زانی مرد اور عورت کو رجم کرنے کا حکم دیا حالانکہ اب قرآن میں صرف کنوارے زانی اور زانیہ کی سزا موجود ہے۔ (۲) تلاوت باقی رکھی مگر حکم منسوخ کر دیا مثلاً سورہ بقرہ آیت نمبر ۲۴۰ میں بیوہ عورت کی عدت ایک سال بیان کی گئی مگر پھر بعد میں یہ حکم منسوخ کر دیا گیا ایک دوسری آیت سے جس میں بیوہ کی عدت چار ماہ دس دن بیان کی گئی۔ مگر اِس منسوخ الحکم آیت کی تلاوت آج بھی کی جاتی ہے۔ (۳) کسی آیت کی تلاوت اور حکم دونوں منسوخ فرمادیئے۔ اِس سلسلے میں کئی صحیح روایات ہیں جن میں صحابہ رضوان اللہ علیہم فرماتے ہیں کہ ہم قرآن کی بعض سورتوں یا آیات کی تلاوت کرتے تھے مگر جب صبح ہوئی تو وہ سورت لکھی ہوئی نہ پائی اور اُسے پڑھنے کی کوشش کی تو پڑھ نا سکے۔ جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بارگاہ میں اِس کا ذکر کیا تو معلوم ہوا کہ وہ منسوخ ہو چکی ہے۔

نسخ کی حکمت یہ ہے کہ جس طرح ایک طبیب جانتا ہے کہ مریض کو ابتداء میں کیا دوا دینی ہے اور بعد میں کیا اور کب صرف پرہیز کروانا ہے اور کون سے موسم میں کیا دینا ہے بلاتمثیل اللہ تعالیٰ حکیمِ مطلق ہے اور وہ سب سے بڑھ کر جانتا ہے کہ

کون سا حکم کب تک رہنا چاہیے اور کب تک نہیں۔ لہذا جس طرح طبیب پر اعتراض نہیں کیا جاتا بلکہ اسے اُس کی حکمت و دانائی سمجھا جاتا ہے اسی طرح ہمارا بھی اپنے رب کے بارے میں طبیب کے مقابلے میں ہزار نہیں بلکہ لاکھوں گنا بڑھ کر حسنِ ظن ہونا چاہیے کہ اس کا کوئی کام حکمت سے خالی نہیں۔

منسوخ آیات کی تعداد

اِس حوالے سے علماء کرام نے بہت کلام فرمایا جس کا مطالعہ متعلقہ کتب میں کیا جاسکتا ہے۔ لیکن حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کی تحقیق کے مطابق منسوخ آیات کی تعداد پانچ ہے جو درج ذیل ہیں:

(۱) كُتِبَ عَلَيْكُمْ اِذَا حَضَرَ اَحَدَكُمُ الْمَوْتُ اِنْ تَرَكَ خَيْرَا ۖۚ الْوَصِيَّةُ لِلْوَالِدَيْنِ وَالْاَقْرَبِيْنَ بِالْمَعْرُوْفِ ۚ حَقًّا عَلَى الْمُتَّقِيْنَ۔

(سورۂ بقرہ: ۱۸۰)۔

ترجمہ: تم پر فرض ہوا کہ جب تم میں کسی کو موت آئے اگر کچھ مال چھوڑے تو وصیت کر جائے اپنے ماں باپ اور قریب کے رشتہ داروں کے لیے موافق دستور، یہ واجب ہے پرہیزگاروں پر۔

اس کا ناسخ آیتِ میراث ہے۔

(۲) وَالَّذِيْنَ يُتَوَفَّوْنَ مِنْكُمْ وَيَذَرُوْنَ اَزْوَاجًا ۖۚ وَّصِيَّةً لِّاَزْوَاجِهِمْ مَّتَاعًا اِلَى الْحَوْلِ غَيْرَ اِخْرَاجٍ ۚ فَاِنْ خَرَجْنَ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيْ مَا فَعَلْنَ فِيْٓ اَنْفُسِهِنَّ مِنْ مَّعْرُوْفٍ ۗ وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ﴿۲۴۰﴾

(سورۂ بقرہ: ۲۴۰)۔

ترجمہ: اور جو تم میں مریں اور بیبیاں چھوڑ جائیں وہ اپنی عورتوں کے لیے وصیت کر جائیں سال بھر تک نان و نفقہ دینے کی بے نکالے پھر اگر وہ خود نکل جائیں تو تم پر اُس کا مؤاخذہ نہیں جو انہوں نے اپنے معاملہ میں مناسب طور پر کیا اور اللہ غالب حکمت والا ہے۔

ایک سال کی عدت آیت نمبر ۲۳۴ کے تحت چار ماہ دس دن سے اور وصیت آیتِ میراث سے منسوخ ہے۔

(۳) يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ حَرِّضِ الْمُؤْمِنِيْنَ عَلَى الْقِتَالِ ؕ اِنْ يَّكُنْ مِّنْكُمْ عِشْرُوْنَ صٰبِرُوْنَ يَغْلِبُوْا مِائَتَيْنِ ۚ وَ اِنْ يَّكُنْ مِّنْكُمْ مِّائَةٌ يَّغْلِبُوْٓا اَلْفًا مِّنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِاَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا يَفْقَهُوْنَ ﴿۶۵﴾ (سورۂ احزاب: ۶۵)

ترجمہ: اے غیب کی خبریں بتانے والے! مسلمانوں کو جہاد کی ترغیب دو اگر تم میں کے بیس صبر والے ہوں گے دو سو پر غالب ہوں گے اور اگر تم میں کے سو ہوں تو کافروں کے ہزار پر غالب آئیں گے اس لیے کہ وہ سمجھ نہیں رکھتے۔

یہ آیت اپنے بعد والی آیتِ مبارکہ سے منسوخ ہے جس میں فرمایا کہ: "اب اللہ نے تم پر سے تخفیف فرمائی اور اسے علم ہے کہ تم کمزور ہو، تو اگر تم میں سو صبر والے ہوں دو سو پر غالب آئیں گے اور اگر تم میں کے ہزار ہوں تو دو ہزار پر غالب ہوں گے اللہ کے حکم سے اور اللہ صبر والوں کے ساتھ ہے"۔

(۴) لَا يَحِلُّ لَكَ النِّسَآءُ مِنْۢ بَعْدُ وَلَآ اَنْ تَبَدَّلَ بِهِنَّ مِنْ اَزْوَاجٍ وَّلَوْ اَعْجَبَكَ حُسْنُهُنَّ اِلَّا مَا مَلَكَتْ يَمِيْنُكَ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ رَّقِيْبًا ﴿۵۲﴾ (سورۂ احزاب: ۵۲)

ترجمہ: ان کے بعد اور عورتیں تمہیں حلال نہیں اور نہ یہ کہ ان کے عوض اور بیبیاں بدلو اگرچہ تمہیں ان کا حُسن بھائے مگر کنیز تمھارے ہاتھ کا مال، اور اللہ ہر چیز پر نگہبان ہے۔

یہ آیتِ مبارکہ اِسی سورت کی آیت نمبر ۵۰ سے منسوخ ہے جس میں فرمایا گیا کہ: "اے غیب بتانے والے (نبی) ہم نے تمھارے لیے حلال فرمائیں تمھاری وہ بیبیاں جن کو تم مِہر دو اور تمھارے ہاتھ کا مال کنیزیں جو اللہ نے تمہیں غنیمت میں دیں اور تمھارے چچا کی بیٹیاں اور پھپیوں کی بیٹیاں اور ماموں کی بیٹیاں اور خالاؤں کی بیٹیاں جنہوں نے تمھارے ساتھ ہجرت کی اور ایمان والی عورت اگر وہ اپنی جان نبی کی نذر کرے اگر نبی اسے نکاح میں لانا چاہے یہ خاص تمھارے لیے ہے امت کے لیے نہیں، ہمیں معلوم ہے جو ہم نے مسلمانوں پر مقرر کیا ہے ان کی بیبیوں اور ان کے ہاتھ کے مال کنیزوں میں یہ خصوصیت تمھاری اس لیے کہ تم پر کوئی تنگی نہ ہو اور اللہ بخشنے والا مہربان"۔

(۵) يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِذَا نَاجَيْتُمُ الرَّسُوْلَ فَقَدِّمُوْا بَيْنَ يَدَيْ نَجْوٰىكُمْ صَدَقَةً ؕ ذٰلِكَ خَيْرٌ لَّكُمْ وَ اَطْهَرُ ؕ فَاِنْ لَّمْ تَجِدُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۲﴾ (سورۂ مجادلہ: ۱۲)

ترجمہ: اے ایمان والو جب تم رسول سے کوئی بات آہستہ عرض کرنا چاہو تو اپنی عرض سے پہلے کچھ صدقہ دے لو یہ تمھارے لیے بہتر اور بہت ستھرا ہے پھر اگر تمہیں مقدور نہ ہو تو اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔

یہ آیت اپنے بعد والی آیت نمبر ۱۳ سے منسوخ ہے جس میں ارشاد فرمایا:
"کیا تم اس سے ڈرے کہ تم اپنی عرض سے پہلے کچھ صدقے دو پھر جب تم نے یہ نہ کیا اور اللہ نے اپنی مہر سے تم پر رجوع فرمائی تو نماز قائم رکھو اور زکوٰۃ دو اور اللہ اور اس کے رسول کے فرمانبردار رہو اور اللہ تمھارے کاموں کو جانتا ہے"۔

مسئلہ نمبر ۵: مسجد کو ڈھانا اور اس میں نماز کی ادائیگی سے منع کرنا حرام ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ مَّنَعَ مَسٰجِدَ اللّٰهِ اَنْ يُّذْكَرَ فِيْهَا اسْمُهٗ وَسَعٰى فِيْ خَرَابِهَا ؕ اُولٰٓئِكَ مَا كَانَ لَهُمْ اَنْ يَّدْخُلُوْهَآ اِلَّا خَآئِفِيْنَ ۬ؕ لَهُمْ فِي الدُّنْيَا خِزْيٌ وَّلَهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ﴿۱۱۴﴾

ترجمہ: اور اُس سے بڑھ کر ظالم کون جو اللہ کی مسجدوں کو روکے ان میں نامِ خدا لیے جانے سے اور ان کی ویرانی میں کوشش کرے۔ اُن کو نہ پہنچتا تھا کہ مسجدوں میں جائیں مگر ڈرتے ہوئے ان کے لیے دنیا میں رسوائی ہے اور ان کے لیے آخرت میں بڑا عذاب۔

اس آیتِ مبارکہ میں اللہ تعالیٰ نے مسجد میں عبادت سے منع کرنے والے کو اور مسجد کو بلاوجہ شہید کرنے یا ویران کرنے والے کو سب سے بڑا ظالم قرار دیا ہے۔ لہٰذا مسلمانوں کو ہر ایسے کام سے پرہیز کرنا واجب ہے جس سے مسجد ویران ہوتی ہو۔ خیال رہے یہ حکم عمومی صورتِ حال کے اعتبار سے ہے ورنہ خصوصی صورتِ حال میں ایسا کرنا جائز ہے۔ مثلاً بعض بدمذہب مساجد میں آکر اپنی بدعت وگمراہی کو پھیلانا چاہتے ہیں یا نماز کے بہانے آتے ہیں اور لوگوں کو تبلیغِ دین یا کسی اور نام

پر اپنے ساتھ لے جاتے ہیں اور پھر ان کی سادگی یا کم علمی کی وجہ سے انہیں گمراہ کر دیتے ہیں تو ایسے لوگوں کو مساجد میں داخل ہونے سے منع کرنا ضروری ہے، اسی طرح اگر مسجد میں اسلام کی تعلیمات کے خلاف کام ہوتے ہوں یا مسلمانوں کے خلاف سازشیں کی جاتی ہوں تو ایسی مساجد کو ڈھانا عین سنت ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ظاہری حیاتِ طیبہ میں منافقین نے مسجد بنائی تھی مگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس مسجد کو ڈھادیا تھا۔

مسئلہ نمبر۶: دوران سفر نفل نماز یا ایسی جگہ جہاں قبلہ کا علم نہ ہوسکے تو کسی بھی سمت ادا کی جاسکتی ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَ لِلّٰهِ الْمَشْرِقُ وَ الْمَغْرِبُ ۚ فَاَیْنَمَا تُوَلُّوْا فَثَمَّ وَجْهُ اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ وَاسِعٌ عَلِیْمٌ ﴿۱۱۵﴾

ترجمہ: اور مشرق و مغرب سب اللہ ہی کا ہے تو تم جدھر منہ کرو ادھر وجہ اللہ (خدا کی رحمت تمھاری طرف متوجہ ہے) بیشک اللہ وسعت والا علم والا ہے۔

اس آیتِ طیبہ اور دیگر احادیث سے ثابت ہے کہ دورانِ سفر نفل نماز کسی بھی جہت پڑھی جاسکتی ہے مثلاً اگر آپ کار یا بس وغیرہ میں بیٹھے ہیں اور یا خود ڈرائیونگ کر رہے ہیں اور نفل نماز پڑھنا چاہتے ہیں تو جس سمت بھی آپ کی گاڑی جارہی ہو اسی سمت منہ کر کے نفل نماز ادا کر سکتے ہیں۔ نیز فقہاء نے اس آیتِ طیبہ اور احادیث کی روشنی میں یہ مسئلہ بھی بیان فرمایا کہ اگر آپ ایسی جگہ مثلاً جنگل یا صحراء میں ہیں جہاں

قبلہ کی سمت نہیں معلوم اور نہ ہی کوئی بتانے والا ہو تو سوچ وبچار کے بعد جہاں قبلہ ہونے کا گمان ہو اس سمت اپنی فرض نماز بھی ادا کی جاسکتی ہے۔

مسئلہ نمبر ۷: باپ اگر اپنے غلام بیٹے کا مالک ہوجائے تو بیٹا خود بخود آزاد ہوجائیگا۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَقَالُوا اتَّخَذَ اللّٰهُ وَلَدًا ۙ سُبْحٰنَهٗ ؕ بَلْ لَّهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ كُلٌّ لَّهٗ قٰنِتُوْنَ ﴿۱۱۶﴾

ترجمہ: اور بولے خدا نے اپنے لیے اولاد رکھی پاکی ہے اسے، بلکہ اسی کی مِلک ہے جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے۔ سب اس کے حضور گردن ڈالے ہیں۔

اس آیتِ طیبہ میں اللہ تعالیٰ نے یہودیوں اور عیسائیوں کا رد فرمایا کیونکہ یہودیوں نے حضرت عزیر علیہ السلام کو اور عیسائیوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اللہ کا بیٹا کہا تو اللہ تعالیٰ نے ان دونوں کا کافرانہ عقیدہ بیان کرکے پہلے اس ناپاک عقیدے سے ﴿سُبْحٰنَهٗ ؕ﴾ کہہ کر اپنی پاکی بیان فرمائی اور پھر اُن کے رد میں دلیل دی کہ زمین وآسمان میں انسان وحیوان بلکہ جو کچھ ہے سب اس کی ملکیت ہے اور اللہ اس کا مالک ہے اور سب چیزیں اسی کی عبادت کرتی ہیں۔ یعنی اللہ تعالیٰ نے ابنیت (یعنی بیٹا ہونے) کی ممانعت پر یہ دلیل دی کہ سب چیزیں اس کی غلام ومملوک ہے۔ لہذا جو مملوک ہو وہ بیٹا نہیں ہوسکتا یا یوں بھی کہا جاسکتا ہے بیٹا باپ کا غلام یا مملوک نہیں ہوسکتا۔ فقہاء نے اسی آیت کی روشنی میں مسئلہ بیان کیا کہ اگر باپ اپنے بیٹے

(جو کسی کا غلام ہو) کو خرید لے یا کسی طرح باپ کی ملکیت میں آجائے تو بیٹا خود بخود آزاد ہو جائے گا۔

مسئلہ نمبر ۸: انبیاء علیہم السلام معصوم ہیں اور کافر مسلمانوں کا امام نہیں ہو سکتا۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَ اِذِ ابْتَلٰۤى اِبْرٰهٖمَ رَبُّهٗ بِكَلِمٰتٍ فَاَتَمَّهُنَّ ؕ قَالَ اِنِّیْ جَاعِلُكَ لِلنَّاسِ اِمَامًا ؕ قَالَ وَ مِنْ ذُرِّیَّتِیْ ؕ قَالَ لَا یَنَالُ عَهْدِی الظّٰلِمِیْنَ ﴿۱۲۴﴾

ترجمہ: اور جب ابراہیم کو اس کے رب نے کچھ باتوں سے آزمایا تو اس نے وہ پوری کر دکھائیں۔ فرمایا میں تمہیں لوگوں کا پیشوا بنانے والا ہوں عرض کی اور میری اولاد سے، فرمایا میرا عہد ظالموں کو نہیں پہنچتا۔

اس آیتِ طیبہ میں اس بات کا بیان ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے سیدنا ابراہیم علیہ السلام کو امامت یعنی نبوت کی بشارت دی تو آپ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں عرض کی کہ میری اولاد میں بھی امامت جاری فرما۔ امامت کے دو معانی ہیں ا۔ نبوت، ۲۔ سرداری۔ اس کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ میرا عہد ظالمین کے لیے نہیں ہے۔ ظالم بھی دو معانی میں استعمال ہوتا ہے، ا۔ گناہ گار، ۲۔ کافر۔ چنانچہ اگر امامت سے مراد نبوت لی جائے تو آیتِ طیبہ کا مطلب ہوگا کہ اے ابراہیم میں نے آپ کی دعا قبول کی مگر آپ کی اولاد میں جو لوگ گناہگار ہیں وہ منصبِ نبوت کے مستحق نہیں ہو سکتے۔ لہٰذا ظاہر ہوا کہ انبیاء علیہم السلام گناہ سے معصوم ہوتے ہیں؛ کیونکہ جو گناہ گار ہے وہ نبی نہیں ہو سکتا۔ اسی لیے عقائدِ اہلِ سنت کے

مطابق انبیاء سے گناہ کا صدور ممکن ہی نہیں کہ انبیاء کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی عصمت ہوتی ہے۔

اور اگر امامت سے مراد سرداری لی جائے تو پھر ظالم سے مراد کافر ہو گا یعنی آیتِ طیبہ کا یہ معنی ہو گا کہ اے ابراہیم علیہ السلام میں آپ کی اولاد میں سے دین کے امام بناؤں گا مگر کافر لوگ اس منصب کو حاصل نہیں کر سکتے۔ اسی طرح اسی آیتِ طیبہ سے یہ بھی ثابت ہوا کہ مسلمانوں کے دین و دنیا کی امامت کے منصب کے لیے معصوم ہونا شرط نہیں۔

مسئلہ نمبر ۹: مکہ معظمہ کی تعظیم۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَ اِذْ جَعَلْنَا الْبَيْتَ مَثَابَةً لِّلنَّاسِ وَ اَمْنًا ؕ وَ اتَّخِذُوْا مِنْ مَّقَامِ اِبْرٰهٖمَ مُصَلًّى ؕ وَ عَهِدْنَاۤ اِلٰۤى اِبْرٰهٖمَ وَ اِسْمٰعِيْلَ اَنْ طَهِّرَا بَيْتِىَ لِلطَّآىِٕفِيْنَ وَ الْعٰكِفِيْنَ وَ الرُّكَّعِ السُّجُوْدِ ﴿۱۲۵﴾

ترجمہ: اور یاد کرو جب ہم نے اس گھر کو لوگوں کے لیے مرجع اور امان بنایا۔ اور ابراہیم کے کھڑے ہونے کی جگہ کو نماز کا مقام بناؤ۔ اور ہم نے تاکید فرمائی ابراہیم و اسمٰعیل کو کہ میرا گھر خوب ستھرا کرو طواف والوں اور اعتکاف والوں اور رکوع و سجود والوں کے لیے۔

آیتِ طیبہ کے الفاظ ظاہر کر رہے ہیں کہ مکۂ معظمہ لوگوں کے جمع ہونے اور بار بار آنے کی جگہ ہے اور ایسی جگہ کو پُرامن ہونا چاہیے، اسی لیے ساتھ ہی فرمادیا کہ یہ امن کی جگہ ہے۔ اسی لیے احادیثِ طیبہ سے ثابت ہے کہ مکۂ معظمہ کے جانور

شکار کرنا، جانور کو تکلیف دینا، اس کے خود رو درخت یا گھاس کاٹنا، کسی کو بلا وجہ شرعی تکلیف پہنچانا سب گناہ ہے، بلکہ یہاں کا ایک گناہ دیگر جگہ کے مقابلے میں ایک لاکھ گناہ کے برابر ہے۔

مسئلہ نمبر ۱۰: اجماع امت حجت ہے اور حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم امت کے احوال سے واقف ہیں یعنی حاضر وناظر ہیں۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَكَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا لِّتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ وَيَكُوْنَ الرَّسُوْلُ عَلَيْكُمْ شَهِيْدًا ﴿۱۴۳﴾

ترجمہ: اور بات یوں ہی ہے کہ ہم نے تمہیں کیا سب امتوں میں افضل تم لوگوں پر گواہ ہو اور یہ رسول تمہارے نگہبان و گواہ۔

امام ابو منصور ماتریدی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اِس امت کو عادل قرار دیا اور عدل ہی کی وجہ سے اِس امت کے قول کو قبول کیا۔ چنانچہ اگر امت کسی بات پر متفق ہو جائے تو اُس کا ماننا لازم ہو جاتا ہے۔ نیز آیتِ طیبہ سے معلوم ہوا کہ امتِ مسلمہ کی گواہی دنیا و آخرت میں مقبول ہے۔ صدر الافاضل سید نعیم الدین مرآدبادی رحمۃ اللہ علیہ نے اس آیتِ مبارکہ کے چند فوائد بیان کئے ہیں جو درج ذیل ہیں:

دنیا میں تو یہ کہ مسلمان کی شہادت مؤمن کافر سب کے حق میں شرعًا معتبر ہے اور کافر کی شہادت مسلمان پر معتبر نہیں۔ مسئلہ: اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اِس امت کا اجماع حجت لازم القبول ہے مسئلہ: اموات کے حق میں بھی اِس امت کی

شہادت معتبر ہے رحمت و عذاب کے فرشتے اس کے مطابق عمل کرتے ہیں صحاح کی حدیث میں ہے کہ سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے ایک جنازہ گزرا صحابہ نے اس کی تعریف کی حضور نے فرمایا واجب ہوئی۔ پھر دوسرا جنازہ گزرا صحابہ نے اس کی برائی کی۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: واجب ہوئی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے دریافت کیا کہ حضور کیا چیز واجب ہوئی ؟ فرمایا: پہلے جنازہ کی تم نے تعریف کی اس کے لیے جنت واجب ہوئی دوسرے کی تم نے برائی بیان کی اس کے لیے دوزخ واجب ہوئی۔ تم زمین میں اللہ کے شہداء (گواہ) ہو۔ پھر حضور نے یہ آیت تلاوت فرمائی۔ مسئلہ: یہ تمام شہادتیں صلحاء اُمت اور اہل صدق کے ساتھ خاص ہیں اور ان کے معتبر ہونے کے لیے زبان کی نگہداشت شرط ہے جو لوگ زبان کی احتیاط نہیں کرتے اور بے جا خلافِ شرع کلمات ان کی زبان سے نکلتے ہیں اور ناحق لعنت کرتے ہیں صحاح کی حدیث میں ہے کہ روزِ قیامت نہ وہ شافع ہوں گے نہ شاہد۔ اس اُمت کی ایک شہادت یہ بھی ہے کہ آخرت میں جب تمام اولین و آخرین جمع ہوں گے اور کفار سے فرمایا جائے گا کیا تمھارے پاس میری طرف سے ڈرانے او راحکام پہنچانے والے نہیں آئے تو وہ انکار کریں گے اور کہیں گے کوئی نہیں آیا۔ حضراتِ انبیاء سے دریافت فرمایا جائے گا وہ عرض کریں گے کہ یہ جھوٹے ہیں ہم نے انہیں تبلیغ کی اس پر اُن سے حجت قائم کرنے کے لیے دلیل طلب کی جائے گی وہ عرض کریں گے کہ اُمتِ محمدیہ ہماری شاہد ہے۔ یہ اُمت پیغمبروں کی شہادت دے گی کہ ان حضرات نے تبلیغ فرمائی۔ اس پر گزشتہ اُمت کے کفار کہیں گے اِنہیں کیا معلوم یہ ہم سے بعد ہوئے تھے۔ دریافت فرمایا جائے گا تم کیسے جانتے ہو؟ یہ عرض کریں گے یارب تو نے ہماری

طرف اپنے رسول محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بھیجا، قرآن پاک نازل فرمایا ان کے ذریعے سے ہم قطعی و یقینی طور پر جانتے ہیں کہ حضراتِ انبیاء نے فرضِ تبلیغ علیٰ وجہ الکمال ادا کیا۔ پھر سید انبیاء صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے آپ کی امت کی نسبت دریافت فرمایا جائے گا حضور انکی تصدیق فرمائیں گے۔ مسئلہ: اس سے معلوم ہوا کہ اشیاء معروفہ میں شہادت تسامع (سن کر) کے ساتھ بھی معتبر ہے یعنی جن چیزوں کا علمِ یقینی سننے سے حاصل ہو اُس پر بھی شہادت دی جاسکتی ہے۔ نیز امت کو تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اطلاع کے ذریعہ سے احوال امم و تبلیغ انبیاء کا علم قطعی و یقینی حاصل ہے اور آیتِ طیبہ واضح فرما رہی ہے کہ رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بکرم الٰہی نورِ نبوت سے ہر شخص کے حال اور اس کی حقیقتِ ایمان اور اعمالِ نیک و بد اور اخلاص و نفاق سب پر مطلع ہیں۔ مسئلہ: اسی لیے حضور کی شہادت دنیا میں بحکمِ شرع امت کے حق میں مقبول ہے یہی وجہ ہے کہ حضور نے اپنے زمانہ کے حاضرین کے متعلق جو کچھ فرمایا مثلاً: صحابہ و ازواج و اہل بیت کے فضائل و مناقب یا غائبوں اور بعد والوں کے لیے مثل حضرت اویس و امام مہدی رضی اللہ عنہما وغیرہ کے اس پر اعتقاد واجب ہے۔ مسئلہ: ہر نبی کو ان کی امت کے اعمال پر مطلع کیا جاتا ہے تاکہ روزِ قیامت شہادت دے سکیں چونکہ ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شہادت عام ہوگی اس لیے حضور تمام امتوں کے احوال پر مطلع ہیں۔ فائدہ یہاں شہید بمعنی مطلع بھی ہوسکتا ہے کیونکہ شہادت کا لفظ علم و اطلاع کے معنی میں بھی آیا ہے۔ قَالَ اللّٰہُ تَعَالٰی: ﴿وَاللّٰہُ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ شَھِیْدٌ﴾ یعنی اللہ ہر شے کا جاننے والا ہے۔

مسئلہ نمبر ۱۱: قبلہ کی تبدیلی کا سبب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وفاداروں کی پہچان تھی۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَ مَا جَعَلْنَا الْقِبْلَةَ الَّتِیْ كُنْتَ عَلَیْهَاۤ اِلَّا لِنَعْلَمَ مَنْ یَّتَّبِعُ الرَّسُوْلَ مِمَّنْ یَّنْقَلِبُ عَلٰى عَقِبَیْهِ ؕ ﴿۱۴۳﴾

ترجمہ: اور اے محبوب تم پہلے جس قبلہ پر تھے ہم نے وہ اسی لیے مقرر کیا تھا کہ دیکھیں کون رسول کی پیروی کرتا ہے اور کون الٹے پاؤں پھر جاتا ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اتباع یعنی محبت کے ساتھ تابعداری کرنا کتنا ضروری ہے، یہ آیتِ طیبہ اس کی روشن دلیل ہے۔ یعنی وہ قبلہ جس کی طرف خود حضور نماز پڑھا کرتے تھے، صحابہ پڑھا کرتے تھے مگر جب اللہ کے حبیب کا حکم آجائے تو اسے بھی چھوڑدینا فرض ہوجائیگا اور جو نہ چھوڑے گا اس کا کفر ثابت ہوجائیگا۔ سبحان اللہ!

مسئلہ نمبر ۱۲: اللہ تعالیٰ اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رضا چاہتا ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

قَدْ نَرٰى تَقَلُّبَ وَجْهِكَ فِی السَّمَآءِ ۚ فَلَنُوَلِّیَنَّكَ قِبْلَةً تَرْضٰىهَا ۪ فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ؕ ﴿۱۴۴﴾

ترجمہ: ہم دیکھ رہے ہیں بار بار تمھارا آسمان کی طرف منہ کرنا۔ تو ضرور ہم تمہیں پھیر دیں گے اس قبلہ کی طرف جس میں تمھاری خوشی ہے۔ ابھی اپنا منہ پھیر دو

مسجد حرام کی طرف۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بیت اللہ شریف سے شدید محبت تھی، اس لیے دورانِ نماز آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آسمان کی طرف وحی کے انتظار میں اپنے چہرۂ اقدس کو اٹھایا کرتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اس پیاری ادا کو بیان فرما کر ارشاد فرمایا کہ ہم آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رضا کے مطابق بیت اللہ شریف کو قبلہ بنا دینگے اور پھر مسجد حرام کی طرف چہرۂ مبارک کر لینے کا حکم ارشاد فرمادیا۔ سچ فرمایا امام اہلِ سنت اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے:

خدا کی رضا چاہتے ہیں دو عالم خدا چاہتا ہے رضائے محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)

مسئلہ نمبر ۱۳: نماز میں قبلہ کی طرف منہ کرنا فرض ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَحَيْثُ مَا كُنْتُمْ فَوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ شَطْرَهٗ ﴿۱۴۴﴾

ترجمہ: اور اے مسلمانو تم جہاں کہیں ہو اپنا منہ اسی (بیت اللہ) کی طرف کرو۔

اس آیتِ طیبہ میں نہایت واضح لفظوں میں امتِ مسلمہ کو حکم دیدیا گیا ہے کہ دورانِ نماز اپنا رخ بیت اللہ کی جانب کرلو۔ ہاں اگر مجبوری ہو تو اس کا حکم الگ ہے۔

مسئلہ نمبر ۱۴: شہداء کو مردہ کہنا منع ہے اور وہ زندہ ہیں اور انبیاء کرام علیہم السلام بدرجہ اولیٰ زندہ ہیں۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَ لَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ يُّقْتَلُ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتٌ ؕ بَلْ اَحْيَآءٌ وَّلٰكِنْ لَّا تَشْعُرُوْنَ ﴿۱۵۴﴾

ترجمہ: اور جو خدا کی راہ میں مارے جائیں انہیں مردہ نہ کہو، بلکہ وہ زندہ ہیں ہاں تمہیں خبر نہیں۔

اس آیتِ طیبہ میں نہایت واضح لفظوں میں شہید کو مردہ تک کہنے سے منع فرمادیا گیا ہے بلکہ بالفرض کسی کے ذہن میں غلط فہمی ہو کہ شاید شہید کے بلند رتبہ کی وجہ سے مردہ کہنے سے منع کیا گیا ہے تو اس کا بھی اِزالہ ان کی حیات کا ذکر فرما کر کر دیا گیا ہے۔ صدر الافاضل مولانا نعیم الدین مرآدباری رحمۃ اللہ علیہ اس آیتِ مبارکہ کا فائدہ بیان کرتے ہوئے رقم طراز ہیں: "موت کے بعد ہی اللہ تعالیٰ شہداء کو حیات عطا فرماتا ہے ان کی ارواح پر رزق پیش کئے جاتے ہیں انہیں راحتیں دی جاتی ہیں ان کے عمل جاری رہتے ہیں اجر و ثواب بڑھتا رہتا ہے۔ حدیث شریف میں ہے کہ شہداء کی روحیں سبز پرندوں کے قالب میں جنت کی سیر کرتی اور وہاں کے میوے اور نعمتیں کھاتی ہیں۔ مسئلہ: اللہ تعالیٰ کے فرمانبردار بندوں کو قبر میں جنتی نعمتیں ملتی ہیں۔ شہید وہ مسلمان مکلف ظاہر ہے جو تیز ہتھیار سے ظلماً مارا گیا ہو اور اس کے قتل سے مال بھی واجب نہ ہوا ہو یا معرکۂ جنگ میں مردہ یا زخمی پایا گیا اور اس نے کچھ آسائش نہ پائی۔ اس پر دنیا میں یہ احکام ہیں کہ نہ اس کو غسل دیا جائے نہ کفن اپنے کپڑوں میں ہی رکھا جائے اسی طرح اس پر نماز پڑھی جائے اسی حالت میں دفن کیا جائے۔ آخرت میں شہید کا بڑا رتبہ ہے۔ بعض شہداء وہ ہیں کہ ان پر دنیا کے یہ احکام تو جاری نہیں ہوتے لیکن آخرت میں ان کے لیے شہادت کا درجہ ہے جیسے ڈوب کر یا جل کر یا دیوار کے نیچے دب کر مرنے والا، طلبِ علم، سفرِ حج غرض راہِ خدا میں مرنے والا اور نفاس میں مرنے والی عورت اور پیٹ کے مرض اور طاعون اور ذات

الجَنب (پسلی یا پہلو کا درد) اور سِل (تپِ دق) میں اور جمعہ کے روز مرنے والے وغیرہ"۔

نیز اس سے ثابت ہوا کہ جب نبی کے امتی کو نبی کی تعلیم پر عمل کر کے مرنے کے بعد دوبارہ حیاتِ جاودانی مل گئی اور وہ زندہ ہے تو نبی بھی اپنی ظاہری وفات کے بعد بدرجہ اولیٰ زندہ ہے۔ اسی لیے حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے واضح لفظوں میں ارشاد فرمایا: «إنّ الله حَرَّمَ عَلَى الْأَرْضِ أَنْ تَأْكُلَ أَجْسَادَ الْأَنْبِيَاءِ، نَبِيُّ الله حَيٌّ وَهُوَ يُرْزَقُ»۔ "یعنی اللہ تعالیٰ نے زمین پر حرام فرمادیا کہ وہ انبیاء کے جسموں کو کھائے۔ اللہ کا نبی زندہ ہے اور اسے رزق بھی دیا جاتا ہے"۔ یہاں یہ وضاحت بھی کردوں کہ انبیاء کرام علیہم السلام کو بعدِ وصال جو حیات ملتی ہے وہ شہداء کی حیات سے بہت درجہ افضل واعلیٰ ہے کیونکہ شہید کی وراثت بھی تقسیم ہوتی ہے اور اس کی بیوی بعدِ عدت نکاح بھی کرسکتی ہے۔ اس کے برعکس انبیاء کرام علیہم الصلوۃ والسلام کی نہ وراثت تقسیم ہوتی ہے اور نہ ان کی ازواج (بیویاں) کسی سے نکاح سے کرسکتیں۔

مسئلہ نمبر ۱۵: صفا اور مروہ اللہ تعالیٰ کی نشانیاں ہیں اور حج اور عمرہ میں اُن کی سعی واجب ہے۔

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

اِنَّ الصَّفَا وَ الْمَرْوَةَ مِنْ شَعَآىِٕرِ اللّٰهِ ۚ فَمَنْ حَجَّ الْبَیْتَ اَوِ اعْتَمَرَ فَلَا جُنَاحَ عَلَیْهِ اَنْ یَّطَّوَّفَ بِهِمَا ؕ وَ مَنْ تَطَوَّعَ خَیْرًا ۙ فَاِنَّ اللّٰهَ شَاكِرٌ عَلِیْمٌ ﴿۱۵۸﴾

ترجمہ: بیشک صفا اور مروہ اللہ کی نشانیوں میں سے ہیں۔ تو جو اس گھر کا حج یا عمرہ کرے اس پر کچھ گناہ نہیں کہ ان دونوں کے پھیرے کرے۔ اور جو کوئی بھلی بات اپنی طرف سے کرے تو اللہ نیکی کا صلہ دینے والا خبردار ہے۔

شعائر اللہ سے دین کی نشانیاں مراد ہیں خواہ وہ مکانات ہوں جیسے کعبہ، عرفات، مزدلفہ، تینوں جمرات، صفا و مروہ، منٰی، خواہ وہ مساجد ہوں یا ازمنہ یعنی زمانے، جیسے رمضان، اشہرِ حرام، عید الفطر، اضحٰی، جمعہ، ایامِ تشریق یا دوسری علامات جیسے اذان، اقامت نمازِ با جماعت، نمازِ جمعہ، نمازِ عیدین، ختنہ یہ سب شعائر دین ہیں۔

صفا و مروہ کو اللہ تعالیٰ نے اپنی نشانی قرار دیا ہے اور نشانی وہ چیز ہوتی ہے کہ جس کے ذریعے نشان والے تک پہنچا جا سکے۔ اور یہ حقیقت سب جانتے ہیں کہ صفا و مروہ کو یہ فضیلت حضرت ہاجرہ رضی اللہ عنہا کے قدموں کی برکت سے ملی۔ لہذا ظاہر ہوا کہ اللہ والے اللہ کی نشانیاں ہیں اور ان ہی کے ذریعے اللہ تعالیٰ تک پہنچا جا سکتا ہے۔ ان کے وسیلے کے بغیر اللہ تعالیٰ تک رسائی ناممکن ہے۔ نیز وہ مقامات اور اشیاء جن کو اللہ تعالیٰ کے نیک بندوں سے نسبت ہو جائے وہ بھی اللہ تعالیٰ کے نزدیک معزز و محترم ہیں۔ صدر الافاضل مولانا نعیم الدین مرادآبادی رحمۃ اللہ علیہ اسی آیت کے افادہ میں فرماتے ہیں: "زمانۂ جاہلیت میں صفا و مروہ پر دو بت رکھے تھے۔ صفا پر جو بت تھا اس کا نام اساف اور جو مروہ پر تھا اس کا نام نائلہ تھا۔ کفار جب صفا و مروہ کے درمیان سعی کرتے تو ان بتوں پر تعظیماً ہاتھ پھیرتے۔ عہدِ اسلام میں بت تو توڑ دیئے گئے لیکن چونکہ کفار یہاں مشرکانہ فعل کرتے تھے اس لیے مسلمانوں

کو صفا و مروہ کے درمیان سعی کرنا گراں ہوا کہ اس میں کفار کے مشرکانہ فعل کے ساتھ کچھ مشابہت ہے۔ اس آیت میں ان کا اطمینان فرمادیا گیا کہ چونکہ تمھاری نیت خالص عبادتِ الٰہی کی ہے تمہیں اندیشہ مشابہت نہیں اور جس طرح کعبہ کے اندر زمانۂ جاہلیت میں کفار نے بت رکھے تھے اب عہد اسلام میں بت اٹھادیئے گئے اور کعبہ شریف کا طواف درست رہا اور وہ شعائر دین میں سے رہا اسی طرح کفار کی بت پرستی سے صفا و مروہ کے شعائر دین ہونے میں کچھ فرق نہیں آیا۔ مسئلہ: حج و عمرہ میں سعی (یعنی صفا و مروہ کے درمیان دوڑنا) واجب ہے حدیث سے ثابت ہے سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس پر مداومت فرمائی ہے۔ اس کے ترک سے دم دینا یعنی قربانی واجب ہوتی ہے۔ مسئلہ: صفا و مروہ کے درمیان سعی حج و عمرہ دونوں میں لازم ہے فرق یہ ہے کہ حج کے اندر عرفات میں جانا اور وہاں سے طواف کعبہ کے لیے آنا شرط ہے اور عمرہ کے لیے عرفات میں جانا شرط نہیں۔ مسئلہ: عمرہ کرنے والا اگر بیرونِ مکّہ سے آئے اس کو براہ راست مکّہ مکرّمہ میں آکر طواف کرنا چاہئے اور اگر مکہ کا ساکن ہو تو اس کو چاہئے کہ حرم سے باہر جائے وہاں سے طواف کعبہ کا احرام باندھ کر آئے۔ حج و عمرہ میں ایک فرق یہ بھی ہے کہ حج سال میں ایک ہی مرتبہ ہوسکتا ہے کیونکہ عرفات میں عرفہ کے دن یعنی نویں ذی الحجہ کو جانا جو حج میں شرط ہے سال میں ایک ہی مرتبہ ممکن ہے اور عمرہ ہر دن ہوسکتا ہے اس کے لیے کوئی وقت معین نہیں"۔

مسئلہ نمبر ۱۶: وہ جانور جن پر ذبح کے وقت غیر خدا کا نام لیا جائے، مردار، خون اور خنزیر کھانا حرام ہیں۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

اِنَّمَا حَرَّمَ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةَ وَ الدَّمَ وَ لَحْمَ الْخِنْزِيْرِ وَ مَآ اُهِلَّ بِهٖ لِغَيْرِ اللّٰهِ ۚ ﴿۱۷۳﴾

ترجمہ: اس نے یہی تم پر حرام کئے ہیں مردار اور خون اور سور کا گوشت اور وہ جانور جو غیرِ خدا کا نام لے کر ذبح کیا گیا۔

مردار سے مراد ہر وہ جانور ہے جسے شریعتِ مطہرہ کی تعلیمات کے مطابق ذبح نہ کیا گیا ہو سوائے ٹڈی اور پانی سے باہر مری مچھلی کے جیساکہ حدیث شریف میں ہے۔ خون سے مراد بہتا ہوا خون ہے یعنی اس میں تلی اور جگر شامل نہیں اگرچہ ان کی اصل خون ہے مگر یہ بہتے خون نہیں ہیں جیساکہ حدیث شریف میں وارد ہوا۔ اور خنزیر کے گوشت سے مراد پورا خنزیر یعنی گوشت، کھال، رگیں، پٹھے، بال، کھر بلکہ اس کی ہر چیز نجس العین ہے جیساکہ احادیثِ طیبہ میں اس کی تفسیر موجود ہے۔ ﴿وَمَآ اُهِلَّ بِهٖ لِغَيْرِ اللّٰهِ ۚ﴾ سے مراد صرف اور صرف وہ جانور ہیں جن پر چھری چلاتے وقت اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور کا نام لیا گیا ہو۔ حدیث شریف میں ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مینڈھے پر چھری چلانے سے پہلے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں عرض کی کہ اے اللہ یہ مینڈھا میری امت کی طرف سے قبول فرمالے اور پھر اللہ کا نام لے کر مینڈھے پر چھری چلائی۔ حدیث شریف سے ظاہر ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مینڈھے کو اپنی امت کی طرف منسوب فرمایا۔ ترمذی شریف میں ہے کہ سیدنا علی کرم اللہ وجہہ الکریم حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نام کی قربانی کیا کرتے تھے۔ لہذا اگر جانور کو کسی طرف منسوب کیا جائے تو وہ حرام نہیں ہو جاتا جیساکہ مسلمانوں میں عام رواج ہے وہ قربانی کے جانوروں کے بارے کہتے ہیں کہ یہ میرے

باپ کے نام کا ہے، یہ ماں کے نام کا ہے اور یہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نام کا اور یہ گیارہویں شریف کا اور اسی کی مثل دیگر نام۔ واضح ہوا کہ حرام وہی ہے جس پر ذبح کے وقت غیرِ خدا کا نام لیا گیا ہو۔

مسئلہ نمبر ۱۷: جان بچانے کے لیے بقدرِ ضرورت حرام کھایا جاسکتا ہے۔

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

فَمَنِ اضْطُرَّ غَيْرَ بَاغٍ وَّ لَا عَادٍ فَلَآ اِثْمَ عَلَيْهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۷۳﴾

ترجمہ: تو جو ناچار ہو نہ یوں کہ خواہش سے کھائے اور نہ یوں کہ ضرورت سے آگے بڑھے تو اس پر گناہ نہیں بیشک اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔

آیتِ مبارکہ سے ظاہر ہوا کہ اگر انسان ایسی جگہ مثلاً جنگل و بیابان یا صحراء میں ہے جہاں کسی طور حلال موجود نہیں اور بھوک یا پیاس اس شدت کی ہے کہ اگر نا کھایا پیا تو مر جائے گا، تو اسے اجازت ہے کہ اگر حرام دستیاب ہے مثلاً خنزیر یا مردار یا شراب وغیرہ تو اتنا کھا پی لے کہ جان بچ جائے، مگر اس مقدار سے زیادہ کھانا پینا حرام ہی رہے گا۔

مسئلہ نمبر ۱۸: اصل نیکی کیا ہے۔ متقی کون؟

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

لَيْسَ الْبِرَّ اَنْ تُوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ قِبَلَ الْمَشْرِقِ وَ الْمَغْرِبِ وَ لٰكِنَّ الْبِرَّ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَ الْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَ الْمَلٰٓئِكَةِ وَ الْكِتٰبِ وَالنَّبِيّٖنَ ۚ وَ اٰتَى الْمَالَ عَلٰى حُبِّهٖ ذَوِی الْقُرْبٰى وَ الْيَتٰمٰى وَ الْمَسٰكِيْنَ وَ

ابْنَ السَّبِيْلِ ۙ وَ السَّآئِلِيْنَ وَ فِي الرِّقَابِ ۚ وَ اَقَامَ الصَّلٰوةَ وَ اٰتَى الزَّكٰوةَ ۚ وَ الْمُوْفُوْنَ بِعَهْدِهِمْ اِذَا عٰهَدُوْا ۚ وَ الصّٰبِرِيْنَ فِي الْبَاْسَآءِ وَ الضَّرَّآءِ وَ حِيْنَ الْبَاْسِ ؕ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ صَدَقُوْا ؕ وَ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُتَّقُوْنَ ﴿۱۷۷﴾

ترجمہ: کچھ اصل نیکی یہ نہیں کہ منہ مشرق یا مغرب کی طرف کرو ہاں اصلی نیکی یہ کہ ایمان لائے اللہ اور قیامت اور فرشتوں اور کتاب اور پیغمبروں پر، اور اللہ کی محبت میں اپنا عزیز مال دے رشتہ داروں اور یتیموں اور مسکینوں اور راہ گیر اور سائلوں کو اور گردنیں چھوڑانے میں، اور نماز قائم رکھے اور زکوٰۃ دے، اور اپنا قول پورا کرنے والے جب عہد کریں، اور صبر والے مصیبت اور سختی میں اور جہاد کے وقت، یہی ہیں جنہوں نے اپنی بات سچی کی اور یہی پرہیز گار ہیں۔

حضرت صدر الافاضل مولانا نعیم الدین مرادآبادی رحمۃ اللہ علیہ اس آیتِ طیبہ کے افادہ میں رقم طراز ہیں کہ: "یہ آیت یہود و نصاریٰ کے حق میں نازل ہوئی کیونکہ یہود نے بیت المقدس کے مشرق کو اور نصاریٰ نے اس کے مغرب کو قبلہ بنا رکھا تھا اور ہر فریق کا گمان تھا کہ صرف اس قبلہ ہی کی طرف منہ کرنا کافی ہے۔ اس آیت میں ان کا رد فرمادیا گیا کہ بیت المقدس کا قبلہ ہونا منسوخ ہوگیا۔ (مدارک) مفسرین کا ایک قول یہ بھی ہے کہ یہ خطاب اہل کتاب اور مؤمنین سب کو عام ہے اور معنی یہ ہیں کہ صرف رو بقبلہ ہونا اصل نیکی نہیں جب تک عقائد درست نہ ہوں اور دل اخلاص کے ساتھ رب قبلہ کی طرف متوجہ نہ ہو۔

اس آیت میں نیکی کے چھ طریقے ارشاد فرمائے (۱) ایمان لانا (۲) مال دینا (۳) نماز قائم کرنا (۴) زکوٰۃ دینا (۵) عہد پورا کرنا (۶) صبر کرنا۔ ایمان کی تفصیل یہ

ہے کہ ایک تو اللہ تعالیٰ پر ایمان لائے کہ وہ حی و قیوم علیم حکیم سمیع بصیر غنی قدیر ازلی ابدی واحد لاشریک لہ ہے۔ دوسرے قیامت پر ایمان لائے کہ وہ حق ہے، اس میں بندوں کا حساب ہوگا، اعمال کی جزادی جائے گی، مقبولانِ حق شفاعت کریں گے، سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سعادت مندوں کو حوض کوثر پر سیراب فرمائیں گے، پلِ صراط پر گزر ہوگا، اور اس روز کے تمام احوال جو قرآن میں آئے یا سید انبیاء صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بیان فرمائے سب حق ہیں۔ تیسرے فرشتوں پر ایمان لائے کہ وہ اللہ کی مخلوق اور فرمانبردار بندے ہیں، نہ مرد ہیں نہ عورت، ان کی تعداد اللہ جانتا ہے، چار ان میں سے بہت مقرب ہیں جبرئیل، میکائیکل، اسرافیل اور عزرائیل علیہم السلام۔ چوتھے کتبِ الٰہیہ پر ایمان لانا کہ جو کتاب اللہ تعالیٰ نے نازل فرمائی حق ہے، ان میں چار بڑی کتابیں ہیں۔(۱) توریت جو حضرت موسیٰ علیہ السلام پر (۲) انجیل جو حضرت عیسی علیہ السلام پر (۳) زبور حضرت داؤد علیہ السلام پر (۴) قرآن حضرت محمد مصطفے صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر نازل ہوئیں۔ اور پچاس صحیفے حضرت شیث پر، تیس حضرت ادریس پر، دس حضرت آدم پر، دس حضرت ابراہیم پر نازل ہوئے علیہم الصلوۃ والسلام۔ پانچویں تمام انبیاء پر ایمان لانا کہ وہ سب اللہ کے بھیجے ہوئے ہیں اور معصوم یعنی گناہوں سے پاک ہیں، ان کی صحیح تعداد اللہ جانتا ہے، ان میں سے تین سو تیرہ رسول ہیں، ﴿النَّبِیّٖنَ ۚ﴾ بصیغہ جمع مذکر سالم ذکر فرمایا اشارہ کرتا ہے کہ انبیاء مرد ہوتے ہیں، کوئی عورت کبھی نبی نہیں ہوئی جیسا کہ ﴿وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ اِلَّا رِجَالًا﴾ الآیہ (یعنی ہم نے آپ سے قبل نہیں بھیجا مگر صرف مردوں کو) سے ثابت ہے۔ ایمان مجمل یہ ہے: "اٰمَنْتُ بِاللہِ

وَبِجَمِيْعِ مَا جَآءَ بِهِ النَّبِيُّ صلى الله عليه وآله وسلم" یعنی میں اللہ پر ایمان لایا اور ان تمام امور پر جو سید انبیاء صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اللہ کے پاس سے لائے (تفسیر احمدی)"۔ ایمان کے بعد اعمال کا اور اس سلسلہ میں مال دینے کا بیان فرمایا اس کے چھ مصرف ذکر کئے گردنیں چھڑانے سے غلاموں کا آزاد کرنا مراد ہے۔ یہ سب مستحب طور پر مال دینے کا بیان تھا۔

مسئلہ: اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ صدقہ دینا بحالت تندرستی زیادہ اجر رکھتا ہے بہ نسبت اس کے کہ مرتے وقت زندگی سے مایوس ہو کر دے۔ (کذافی حدیث عن ابی ہریرہ)

مسئلہ: حدیث شریف میں ہے کہ رشتہ دار کو صدقہ دینے میں دو ثواب ہیں ایک صدقہ کا ایک صلہ رحم کا۔ (نسائی شریف)

مسئلہ نمبر ۱۹: جان کا بدلہ جان ہے اور قصاص میں زندگی ہے۔ جتنا ظلم ہوا اتنا ہی بدلہ لے سکتے ہیں۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِصَاصُ فِي الْقَتْلٰى ؕ اَلْحُرُّ بِالْحُرِّ وَ الْعَبْدُ بِالْعَبْدِ وَ الْاُنْثٰى بِالْاُنْثٰى ؕ فَمَنْ عُفِيَ لَهٗ مِنْ اَخِيْهِ شَيْءٌ فَاتِّبَاعٌۢ بِالْمَعْرُوْفِ وَ اَدَآءٌ اِلَيْهِ بِاِحْسَانٍ ؕ ذٰلِكَ تَخْفِيْفٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَ رَحْمَةٌ ؕ فَمَنِ اعْتَدٰى بَعْدَ ذٰلِكَ فَلَهٗ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۱۷۸﴾

ترجمہ: اے ایمان والوں تم پر فرض ہے کہ جو ناحق مارے جائیں ان کے خون کا بدلہ لو، آزاد کے بدلے آزاد اور غلام کے بدلے غلام اور عورت کے بدلے

عورت، توجس کے لیے اس کے بھائی کی طرف سے کچھ معافی ہوئی تو بھلائی سے تقاضا ہو اور اچھی طرح ادائیگی، یہ تمھارے رب کی طرف سے تمھارا بوجھ ہلکا کرنا ہے اور تم پر رحمت ہے، تو اس کے بعد جو زیادتی کرے اس کے لیے دردناک عذاب ہے۔

یہ آیت اوس و خزرج کے بارے میں نازل ہوئی ان میں سے ایک قبیلہ دوسرے سے قوت تعداد مال و شرف میں زیادہ تھا۔ اس نے قسم کھائی تھی کہ وہ اپنے غلام کے بدلے دوسرے قبیلہ کے آزاد کو اور عورت کے بدلے مرد کو اور ایک کے بدلے دو کو قتل کرے گا۔ زمانۂ جاہلیت میں لوگ اس قسم کے ظلم و تعدی کے عادی تھے۔ جب یہ معاملہ حضور سید انبیاء صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں پیش ہوا تو یہ آیت نازل ہوئی۔ اور عدل و مساوات کا حکم دیا گیا اور اس پر وہ لوگ راضی ہوئے۔ قرآن کریم میں قصاص کا مسئلہ کئی آیتوں میں بیان ہوا ہے، اس آیت میں قصاص و معافی دونوں کے مسائل بیان ہوئے ساتھ ہی اللہ تعالیٰ کے اس احسان کا بیان ہے کہ اس نے اپنے بندوں کو قصاص و عفو میں مختار کیا، چاہیں قصاص لیں یا عفو کریں۔

آیت کے اول میں قصاص کے وجوب کا بیان ہے۔ اس سے ہر قاتل بالعمد پر قصاص کا وجوب ثابت ہوتا ہے خواہ اس نے آزاد کو قتل کیا ہو یا غلام کو مسلمان کو یا کافر کو مرد کو یا عورت کو کیونکہ قتلیٰ جو قتیل کی جمع ہے وہ سب کو شامل ہے۔ ہاں جس کو دلیلِ شرعی خاص کرے وہ مخصوص ہو جائے گا۔ (احکام القرآن) نیز اس آیت میں بتایا گیا جو قتل کرے گا وہی قتل کیا جائے گا خواہ آزاد ہو یا غلام، مرد ہو یا عورت۔ اور اہل جاہلیت کا یہ طریقہ ظلم ہے جو ان میں رائج تھا کہ آزادوں میں لڑائی ہوتی تو وہ ایک کے بدلے دو کو قتل کرتے، غلاموں میں ہوتی تو بجائے غلام کے آزاد کو

مارتے، عورتوں میں ہوتی تو عورت کے بدلے مرد کو قتل کرتے اور محض قاتل کے قتل پر اکتفانہ کرتے اس کو منع فرمایا گیا۔

﴿ فَمَنْ عُفِيَ لَهٗ ﴾ کا معنی یہ ہے کہ جس قاتل کو ولی مقتول کچھ معاف کریں اور اس کے ذمہ مال لازم کیا جائے تو اس پر اولیاء مقتول تقاضا کرنے میں نیک روش اختیار کریں، اور قاتل خوں بہا خوش معاملگی کے ساتھ ادا کرے۔ اس میں مال پر صلح کرنے کا بیان ہے۔ (تفسیر احمدی) مسئلہ: ولی مقتول کو اختیار ہے کہ خواہ قاتل کو بے عوض معاف کرے یا مال پر صلح کرے۔ اگر وہ اس پر راضی نہ ہو اور قصاص چاہے تو قصاص ہی فرض رہے گا۔ (جمل) مسئلہ: اگر مقتول کے تمام اولیاء قصاص معاف کر دیں تو قاتل پر کچھ لازم نہیں رہتا۔ مسئلہ: اگر مال پر صلح کریں تو قصاص ساقط ہو جاتا ہے اور مال واجب ہوتا ہے۔ (تفسیر احمدی) مسئلہ: ولیِ مقتول کو قاتل کا بھائی فرمانے میں اس بات پر دلالت ہے کہ قتل اگرچہ بڑا گناہ ہے مگر اس سے ایمانی بھائی چارگی ختم نہیں ہوتی، اس میں خوارج کا ابطال ہے جو گناہِ کبیرہ کے مرتکب کو کافر کہتے ہیں۔

المختصر مذکورہ بالا آیتِ طیبہ سے ظاہر ہو گیا کہ امیر و غریب، آزاد و غلام، رئیس و نوکر وغیرہ سب کی جان اللہ تعالیٰ کے نزدیک برابر ہے جو ظلم کرے گا اُسے بدلہ دینا ہو گا۔ نیز یہ بھی معلوم ہو گیا کہ اگر قاتل کو یوں ہی چھوڑ دیا جائیگا تو لوگ ہلاک ہو جائینگے اور اگر قصاص کا قانون نافذ کر دیا جائے تو پھر لوگ قتل کرنے سے ڈرینگے اور یوں انسانی جان محفوظ ہو جائیگی۔ نیز کسی سے بدلہ لینے میں زیادتی کرنا بھی ظلم ہے۔

مسئلہ نمبر ۲۰: وصیت کا وجوب منسوخ ہو گیا۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

كُتِبَ عَلَيْكُمْ اِذَا حَضَرَ اَحَدَكُمُ الْمَوْتُ اِنْ تَرَكَ خَيْرًا ۖۚ الْوَصِيَّةُ لِلْوَالِدَيْنِ وَالْاَقْرَبِيْنَ بِالْمَعْرُوْفِ ۚ حَقًّا عَلَى الْمُتَّقِيْنَ ﴿۱۸۰﴾

ترجمہ: تم پر فرض ہوا کہ جب تم میں کسی کو موت آئے اگر کچھ مال چھوڑے تو وصیت کر جائے اپنے ماں باپ اور قریب کے رشتہ داروں کے لیے موافق دستور یہ واجب ہے پرہیز گاروں پر۔

ابتدائے اسلام میں یہ وصیت فرض تھی جب میراث کے احکام نازل ہوئے تو وصیت کی فرضیت منسوخ کردی گئی۔ اب غیر وارث کے لیے تہائی سے کم میں وصیت کرنا مستحب ہے بشرطیکہ وارث محتاج نہ ہوں یا ترکہ ملنے پر محتاج نہ رہیں، ورنہ ترکہ وصیت سے افضل ہے۔ اور اگر کسی نے وارث کے حق میں وصیت کردی تو وہ وصیت نافذ نہ ہوگی جب تک دیگر تمام ورثہ اُس وصیت کے جاری کرنے پر راضی نہ ہو جائیں۔

مسئلہ نمبر ۲۱: روزہ کی فرضیت اور اس کے بعض اہم احکام۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ﴿۱۸۳﴾ اَيَّامًا مَّعْدُوْدٰتٍ ؕ فَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ مَّرِيْضًا اَوْ عَلٰى سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِّنْ اَيَّامٍ اُخَرَ ؕ وَ عَلَى الَّذِيْنَ يُطِيْقُوْنَهٗ فِدْيَةٌ طَعَامُ مِسْكِيْنٍ ؕ فَمَنْ تَطَوَّعَ خَيْرًا فَهُوَ خَيْرٌ لَّهٗ ؕ وَ اَنْ تَصُوْمُوْا خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿۱۸۴﴾

ترجمہ: اے ایمان والو! تم پر روزے فرض کئے گئے جیسے اگلوں پر فرض ہوئے تھے کہ کہیں تمہیں پرہیزگاری ملے۔ گنتی کے دن ہیں، تو تم میں جو کوئی بیمار یا سفر میں ہو تو اتنے روزے اور دنوں میں رکھ لے، اور جنہیں اس کی طاقت نہ ہو وہ بدلہ دیں ایک مسکین کا کھانا، پھر جو اپنی طرف سے نیکی زیادہ کرے تو وہ اس کے لیے بہتر ہے، اور روزہ رکھنا تمھارے لیے زیادہ بھلا ہے اگر تم جانو۔

مذکورہ بالا آیاتِ طیبہ سے معلوم ہوا کہ رمضان کے روزے ہر عاقل بالغ مسلمان پر فرض ہیں۔ البتہ مریض اور مسافر کو اجازت ہے کہ رمضان میں روزہ نہ رکھ سکے تو اور دنوں میں ان کی قضاء رکھیں۔ اور جو ایسے مریض ہوں جن کے صحیح ہونے کی امید نہیں یا اتنے ضعیف و بوڑھے ہیں کہ روزہ کی طاقت نہیں تو وہ اپنے روزوں کا فدیہ دیں اور فدیہ میں کچھ زیادہ دینا بہتر ہے۔ بہرحال سوائے بعض صورتوں کے روزہ رکھنا ہی بہتر ہے۔

مسئلہ نمبر ۲۲: قرآن پاک لوگوں کی ہدایت کے لیے ماہِ رمضان المبارک میں نازل کیا گیا اور جو رمضان پائے بہرحال اس پر روزہ رکھنا فرض ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِیْۤ اُنْزِلَ فِیْهِ الْقُرْاٰنُ هُدًى لِّلنَّاسِ وَ بَیِّنٰتٍ مِّنَ الْهُدٰى وَ الْفُرْقَانِۚ فَمَنْ شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ فَلْیَصُمْهُؕ ﴿۱۸۵﴾

ترجمہ: رمضان کا مہینہ جس میں قرآن اترا لوگوں کے لیے ہدایت اور رہنمائی اور فیصلہ کی روشن باتیں ہیں، تو تم میں جو کوئی یہ مہینہ پائے ضرور اس کے روزے رکھے۔

آیتِ طیبہ کا دوسرے حصے سے ظاہر ہوا کہ جو رمضان پائے تو اس پر رمضان کا روزہ رکھنا فرض ہے۔ لہذا وہ لوگ جو سعودیہ یا کسی اور شہر سے ۲۹ یا ۳۰ روزے پورے کرکے ایسی جگہ آتے ہیں جہاں ابھی رمضان جاری ہے تو ان پر اس مقام پر بھی روزہ رکھنا فرض ہے اگرچہ وہ ۳۰ روزے پہلے ہی پورے کر چکے ہوں۔ یہ سمجھنا کہ مہینہ ۲۹ یا ۳۰ دن کا ہوتا ہے اور وہ اتنے ایام کے روزے رکھ چکے ہیں لہذا ان پر اب روزہ فرض نہیں، راقم الحروف کی رائے میں ایسا خیال درست نہیں۔ ہمارے سامنے قرآن کریم کی آیت نہایت واشگاف لفظوں میں اعلان کر رہی ہے کہ "جو رمضان کو پائے اس کا روزہ رکھے" لہذا اسے روزہ رکھنا فرض ہے اگرچہ وہ ترتیب کے لحاظ سے ۳۱واں ہی کیوں نہ ہو۔ وجہ اس کی یہ ہے کہ روزے کی گنتی ۳۰ یا ۳۱ ہونا ہمارے حساب وکتاب سے ہے اور ہمارے حساب وکتاب میں غلطی ہو سکتی ہے جیسا کہ سعودی گورنمنٹ بعض اوقات غلط اعلان کرتی ہے یا مطلع ابر آلود ہونے کی وجہ سے بعض اوقات ایک دن پہلے ہی رمضان شروع ہو سکتا ہے یا ایک دن بعد میں شروع ہو سکتا ہے تو پھر لوگوں کو بعد میں وہ روزہ قضا کرنا پڑتا ہے۔ جب کہ رمضان کا پایا جانا بدیہی ہے لہذا اس کے تقاضے کے مطابق روزہ رکھنا ہوگا۔ اور اس دن میں (باہر سے آنے والے پر) روزہ فرض ہونے کی دوسری دلیل یہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ: «الصَّوْمُ يَوْمُ تَصُوْمُوْنَ وَالحَجُّ يَوْمُ تَحَجُّوْنَ»۔ اس دن روزہ (رکھنا) ہوگا جس دن سب لوگ روزہ رکھیں اور اس دن حج (کرنا) ہوگا جس دن سب حج کریں۔

مسئلہ نمبر ۲۳: دین اسلام آسان ہے سخت نہیں اور مطلع صاف نہ ہونے کی وجہ سے چاند نہ نظر آسکے تو ۳۰ دن کے روزے پورے کر لیے جائیں۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

مَنْ كَانَ مَرِيْضًا اَوْ عَلٰى سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِّنْ اَيَّامٍ اُخَرَ ؕ يُرِيْدُ اللّٰهُ بِكُمُ الْيُسْرَ وَلَا يُرِيْدُ بِكُمُ الْعُسْرَ ۫ وَلِتُكْمِلُوا الْعِدَّةَ ﴿۱۸۵﴾

ترجمہ: اور جو بیمار یا سفر میں ہو تو اتنے روزے اور دنوں میں اللہ تم پر آسانی چاہتا ہے اور تم پر دشواری نہیں چاہتا اور اس لیے کہ تم گنتی پوری کرو۔

آیتِ طیبہ واضح کر رہی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس دین کو آسان بنایا ہے سخت نہیں۔ اسی لیے مریض اور مسافر کو اَور دِنوں میں روزہ رکھنے کی اجازت مرحمت فرمائی بلکہ فقہاء کرام نے قرآن و حدیث کی روشنی میں مزید آسانیاں بیان کیں مثلاً حاملہ کو حمل کا خوف ہو یا دودھ پلانے والی کو روزہ کی وجہ سے کمزوری کا خوف ہو تو اِن سب صورتوں میں روزوں کی قضاء اَور دِنوں میں کی جا سکتی ہے۔ آیتِ طیبہ کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ جب سمجھا کہ شریعت پر عمل کرنے کو جی نہیں چاہتا تو کہہ دیا کہ دین تو آسان ہے اور حکمِ شرعی کو ایک طرف رکھ دیا۔ بعض اوقات دیکھا گیا کہ بے پردہ خواتین یا شریعت پر عمل نہ کرنے والے لوگوں کو شرعی مسئلہ بتایا جائے اور عمل نہ کرنے کا عذاب سنایا جائے تو کہہ دیتے ہیں کہ دین آسان ہے یہ مولانا لوگوں نے دین مشکل کر دیا ہے۔ معاذاللہ ایسا کہنا سخت غلط اور گمراہی ہے۔ دین کے آسان ہونے کا مطلب یہ ہی ہے کہ اللہ عزوجل اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دین میں کوئی ایسا سخت حکم نہیں دیا کہ جس پر عمل کرنا ممکن نہ ہو۔ ہاں کسی مسئلہ میں کہاں رعایت

نکلتی ہے اُس کو بیان کرنا ہر ایرے غیرے کا کام نہیں بلکہ فقہاء کرام ہی اصولوں کی روشنی میں اُس رعایت کو بیان کر سکتے ہیں۔ نیز یہ دین و شریعت کی آسانی ہی کی صورت ہے کہ مطلع غبار آلود ہونے کی وجہ سے بنام احتیاط مسلسل روزے رکھنے کا حکم نہیں دیا گیا بلکہ آسانی فرمائی گئی کہ ۳۰ کی گنتی پوری کر کے عید کر لو۔

مسئلہ نمبر ۲۴: رمضان کی راتوں میں میاں بیوی میں قربت جائز ہے۔ نیز میاں بیوی کا آپس میں پردہ نہیں۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

أُحِلَّ لَكُمْ لَيْلَةَ الصِّيَامِ الرَّفَثُ إِلَىٰ نِسَآئِكُمْ ۚ هُنَّ لِبَاسٌ لَّكُمْ وَأَنتُمْ لِبَاسٌ لَّهُنَّ ۗ ...... ﴿۱۸۷﴾

ترجمہ: روزوں کی راتوں میں اپنی عورتوں کے پاس جانا تمھارے لیے حلال ہوا، وہ تمھاری لباس ہیں اور تم ان کے لباس۔

اسلام کی ابتداء میں رمضان کی راتوں میں بھی میاں بیوی کی آپس میں قربت جائز نہ تھی مگر پھر اِس آیت کے ذریعے سے پچھلا حکم منسوخ فرما کر اُس کی اجازت دی گئی۔ نیز یہ بھی واضح کر دیا کہ میاں بیوی ایک دوسرے کے راز دار ہیں اور ان میں پردہ نہیں۔

مسئلہ نمبر ۲۵: رمضان کی راتوں میں کھانا پینا جائز ہے اور حالت اعتکاف میں اپنے اہل سے قربت جائز نہیں۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَ كُلُوْا وَ اشْرَبُوْا حَتّٰى يَتَبَيَّنَ لَكُمُ الْخَيْطُ الْاَبْيَضُ مِنَ الْخَيْطِ الْاَسْوَدِ مِنَ الْفَجْرِ ثُمَّ اَتِمُّوا الصِّيَامَ اِلَى الَّيْلِ وَ لَا تُبَاشِرُوْهُنَّ وَ اَنْتُمْ عٰكِفُوْنَ فِي الْمَسٰجِدِ تِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ فَلَا تَقْرَبُوْهَا كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ اٰيٰتِهٖ لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَتَّقُوْنَ ﴿۱۸۷﴾

ترجمہ: اور کھاؤ اور پیئو یہاں تک کہ تمھارے لیے ظاہر ہو جائے سفیدی کا ڈورا سیاہی کے ڈورے سے (پو پھٹ کر)، پھر رات آنے تک روزے پورے کرو، اور عورتوں کو ہاتھ نہ لگاؤ جب تم مسجدوں میں اعتکاف سے ہو، یہ اللہ کی حدیں ہیں ان کے پاس نہ جاؤ اللہ یوں ہی بیان کرتا ہے لوگوں سے اپنی آیتیں کہ کہیں انہیں پرہیزگاری ملے۔

ابتدائے اسلام میں رمضان کی راتوں میں کھانا پینا بھی منع تھا مگر بعد اس کی اجازت دی گئی۔ نیز میاں بیوی کو رمضان کی راتوں میں قربت کی اجازت دیدی گئی مگر یہاں وضاحت کردی گئی کہ اگر دونوں میں سے کوئی ایک بھی اعتکاف کی حالت میں ہو تو پھر رات میں بھی اجازت نہیں۔

مسئلہ نمبر ۲۶: رشوت اور دیگر حرام طریقوں سے غیر کا مال کھانا حرام ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَ لَا تَاْكُلُوْۤا اَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ وَ تُدْلُوْا بِهَاۤ اِلَى الْحُكَّامِ لِتَاْكُلُوْا فَرِيْقًا مِّنْ اَمْوَالِ النَّاسِ بِالْاِثْمِ وَ اَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿۱۸۸﴾

ترجمہ: اور آپس میں ایک دوسرے کا مال ناحق نہ کھاؤ اور نہ حاکموں کے پاس ان کا مقدمہ اس لیے پہنچاؤ کہ لوگوں کا کچھ مال ناجائز طور پر کھالو جان بوجھ کر۔

باطل طریقوں سے مراد چوری، غصب، ڈاکہ، رشوت اور خرید وفروخت کے ناجائز طریقے (عقود فاسدہ وباطلہ) ہیں۔ اور علماء کرام نے رشوت کی حرمت پر اس آیتِ مبارکہ سے بھی استدلال کیا ہے۔

مسئلہ نمبر ۲۷: جہاد اور اس کے احکام۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَ قَاتِلُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ الَّذِیْنَ یُقَاتِلُوْنَكُمْ وَ لَا تَعْتَدُوْا ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا یُحِبُّ الْمُعْتَدِیْنَ ﴿۱۹۰﴾

ترجمہ: اور اللہ کی راہ میں لڑو ان سے جو تم سے لڑتے ہیں اور حد سے نہ بڑھو، اللہ پسند نہیں رکھتا حد سے بڑھنے والوں کو۔

مذکورہ بالا آیت اور اس کے علاوہ قرآن پاک میں متعدّد مقامات پر جہاد کا ذکر فرمایا اور مسلمانوں کو جہاد کا حکم دیا۔ لہٰذا جہاد کے مسائل کی بہت تفصیل ہے جسے فقہ کی کتب میں ملاحظہ کیا جاسکتا ہے۔ یہاں پر مختصر طور پر بیان کیا جاتا ہے۔ جہاد کا لغوی معنیٰ کوشش ہے اور اس سے مراد لوگوں کو دین اسلام کی طرف بلانے کے لیے یا دینِ اسلام کی حفاظت یا مسلمانوں کے جان ومال وعزت وآبرو کی حفاظت کی کوشش کرنا ہے۔ بعض صورتوں میں جہاد ہتھیار سے اور بعض میں مال سے اور بعض میں قلم سے کیا جاتا ہے۔ بہر حال مذکورہ بالا آیتِ مبارکہ میں جہاد بالسیف یا ہتھیار کے ذریعے جہاد کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ جہاد بالسیف کی تین صورتیں ہیں۔ ایک صورت فرض کفایہ ہے کہ ایک جماعت نے کرلیا سب بری الذمہ ہوگئے اور سب نے چھوڑ دیا سب گناہ گار ہوئے۔ اور اگر کفار کسی شہر پر حملہ آور ہوں تو اُس شہر والے مقابلہ کریں اور

اُن میں اتنی طاقت نہ ہو تو قریب والے مدد کریں اور ان کی بھی طاقت سے باہر ہو تو جوان کے قریب ہیں وہ بھی شریک ہوجائیں وعلی ھذا القیاس۔ جہاد جب فرض کفایہ ہو تو بچے، عورتیں، بوڑھے جو نہایت ضعیف ہوں، غلام، بالغ جسے ماں باپ اجازت نہ دیں اور مریض اس جہاد کی فرضیت سے مستثنیٰ (Exempted) ہیں۔

دوسری صورت فرض عین کی ہے۔ جس شہر یا علاقہ پر کفار حملہ آور ہوں تو اُس علاقہ کے تمام لوگوں پر فرض عین ہے۔ اس جہاد سے کوئی مستثنیٰ نہیں سب کو اپنی طاقت بھر اِس میں حصہ لینا ہے۔ ہاں البتہ بچے شرعاً مکلف نہیں اِس لیے اُن پر جہاد بھی نہیں۔

تیسری صورت واجب کی ہے۔ یہ جہاد اسلام کی شان و شوکت بڑھانے کے لیے اُن کفار سے کیا جاتا ہے جن سے صلح کا معاہدہ نہ ہو۔ اور اس کے لیے یہ شرط ہے کہ اسلحہ اور لڑنے پر قدرت ہو، کھانے پینے کے سامان اور سواری پر قدرت ہو نیز حاکمِ اسلام کو غالب گمان ہو کہ اِس سے اسلام کی شان و شوکت بڑھے گی اور اگر یہ امید نہ ہو تو پھر یہ تیسری صورت جائز نہیں کہ اپنے آپ کو ہلاکت میں ڈالنا ہے۔

مسئلہ نمبر ۲۸: حج و عمرہ کی تکمیل فرض ہے اور حج مکمل نہ کرسکنے کی صورت کا بیان۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَ اَتِمُّوا الْحَجَّ وَ الْعُمْرَةَ لِلّٰهِ ؕ فَاِنْ اُحْصِرْتُمْ فَمَا اسْتَيْسَرَ مِنَ الْهَدْيِ ۚ وَلَا تَحْلِقُوْا رُءُوْسَكُمْ حَتّٰى يَبْلُغَ الْهَدْيُ مَحِلَّهٗ ؕ

ترجمہ: اور حج اور عمرہ اللہ کے لیے پورا کرو، پھر اگر تم روکے جاؤ تو قربانی بھیجو جو میسر آئے، اور اپنے سر نہ منڈاؤ جب تک قربانی اپنے ٹھکانے نہ پہنچ جائے۔

مذکورہ بالا آیتِ طیبہ میں حج اور عمرہ مکمل کرنے کا حکم دیا گیا گو کہ عمرہ فرض یا واجب نہیں مگر جب ایک مرتبہ شروع کرلے تو اب اسے پورا کرنا واجب ہوجاتا ہے اور اسی طرح نفلی حج کا حکم ہے۔ اور حج اور عمرہ کو پورا یا مکمل کرنے سے مراد یہ ہے کہ اِن دونوں عبادتوں کی ادائیگی میں جو فرائض، واجبات، سنن اور آداب ہیں اُن سب کو بجالائے۔ نیز دونوں عبادتوں کو اخلاص نیت، دل جمعی کے ساتھ، گناہوں سے بچتے ہوئے ادا کیا جائے۔ ہاں جو شخص حج یا عمرہ کا احرام باندھ کر نیت کرلے مگر کسی وجہ سے پورا نہ کرسکے اسے مُحصَر کہتے ہیں۔ اور جن وجوہ سے حج یا عمرہ پورا نہ کرسکے وہ یہ ہیں۔ ا۔ دشمن، ۲۔ درندہ، ۳۔ مرض کہ سفر کرنے اور سوار ہونے میں اُس کے زیادہ ہونے کا گمان غالب ہے، ۴۔ ہاتھ یا پاؤں ٹوٹ جانا، ۵۔ قید، ۶۔ عورت کے محرم یا شوہر جس کے ساتھ جارہی تھی اُس کا انتقال ہوجانا۔ ۷۔ عدت، ۸۔ مصارف یعنی حج یا عمرہ کا خرچ یا سواری کا ہلاک ہوجانا یا نہ ملنا، ۹۔ عورت نے نفلی حج کا احرام باندھا مگر شوہر نے منع کردیا۔ احرام باندھ لینے کے بعد مذکورہ صورتوں میں سے کوئی صورت پائی جائے تو اب محرم کے لیے احرام کھول دینا جائز ہے۔ اور اس کا طریقہ یہ ہے کہ قربانی کا جانور حرمِ مکہ بھجوادے اور یا اُس کی قیمت بھجوادے اور وہاں اُس کے لیے جانور خرید کے حرم میں ذبح کردیا جائے اور اُس کے لیے دن اور وقت مقرر کرنا ضروری ہے؛ تاکہ احرام ذبح کے بعد کھولا جائے۔ اور محصر کے لیے احرام کھولتے وقت حلق کروانا شرط نہیں مگر بہتر ہے۔ اب آئندہ جب بھی موقع ملے اُس کی قضاء

کرے۔ اگر احرام صرف حج کا تھا تو آئندہ حج کے ایام میں ایک حج اور عمرہ کرے۔ اور احرام صرف عمرہ کا تھا تو صرف عمرہ کرے۔ اور احرام حج قران کا تھا تو ایک حج اور دو عمرے کرے۔

مسئلہ نمبر ۲۹: حج کی اقسام اور حج کی قربانی کے بجائے روزہ رکھنے کا جواز۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

فَاِذَآ اَمِنْتُمْ ۗ فَمَنْ تَمَتَّعَ بِالْعُمْرَةِ اِلَى الْحَجِّ فَمَا اسْتَيْسَرَ مِنَ الْهَدْيِ ۚ فَمَنْ لَّمْ يَجِدْ فَصِيَامُ ثَلٰثَةِ اَيَّامٍ فِي الْحَجِّ وَسَبْعَةٍ اِذَا رَجَعْتُمْ ۗ تِلْكَ عَشَرَةٌ كَامِلَةٌ ۗ ذٰلِكَ لِمَنْ لَّمْ يَكُنْ اَهْلُهٗ حَاضِرِي الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ۗ وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ﴿١٩٦﴾

ترجمہ: پھر جب تم اطمینان سے ہو تو جو حج سے عمرہ ملانے کا فائدہ اٹھائے اس پر قربانی ہے جیسی میسر آئے، پھر جسے مقدور نہ ہو تو تین روزے حج کے دنوں میں رکھے اور سات جب اپنے گھر پلٹ کر جاؤ، یہ پورے دس ہوئے، یہ حکم اُس کے لیے ہے جو مکہ کا رہنے والا نہ ہو، اور اللہ سے ڈرتے رہو اور جان رکھو کہ اللہ کا عذاب سخت ہے۔

حج تین قسم کا ہوتا ہے۔ ۱۔ حج اِفراد یعنی صرف حج کا احرام باندھنا اور اُس کے ساتھ حج کے مہینوں میں عمرہ نہ کیا ہو۔ ۲۔ حج تمتع یعنی آفاقی حاجی حج کے مہینوں میں عمرہ کرے پھر حج کے انتظار میں وہیں رہ جائے یعنی اپنے گھر لوٹ کر نہ آئے اور پھر حج کے دنوں میں حج کا احرام باندھ کر عمرہ کرے۔ ۳۔ حج قران یعنی ایک ساتھ ہی حج اور عمرہ کی نیت کر لینا۔ حج اِفراد والوں کے لیے قربانی واجب نہیں مگر حج تمتع اور

قران والوں پر شکرانے کی قربانی واجب ہے۔ مذکورہ بالا آیت میں اِسی قربانی کا حکم دیا گیا ہے۔ پھر غریب لوگوں کی آسانی کے لیے یہ رعایت دیدی کہ اگر قربانی کے پیسے نہ ہوں تو اس کے بدلے میں تین روزے حج کے دنوں میں حج کا احرام باندھ کر رکھ لے اور یہ تین روزے دس تاریخ سے پہلے پہلے ہونے چاہیے اور باقی سات روزے احرام کھولنے کے بعد وہیں یا اپنے وطن لوٹ کر رکھ لے۔ پھر یہ وضاحت کردی گئی ہے کہ حج تمتع صرف وہی لوگ کرسکتے ہیں جو آفاقی حاجی ہوں یعنی میقات کے باہر سے حج کرنے آئے ہوں۔

مسئلہ نمبر ۳۰: حج کا وقت۔ حج میں کیا منع ہے۔ وقوفِ عرفات اور مزدلفہ۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

اَلْحَجُّ اَشْهُرٌ مَّعْلُوْمٰتٌ ۚ فَمَنْ فَرَضَ فِيْهِنَّ الْحَجَّ فَلَا رَفَثَ وَ لَا
فُسُوْقَ ۙ وَ لَا جِدَالَ فِي الْحَجِّ ؕ وَ مَا تَفْعَلُوْا مِنْ خَيْرٍ يَّعْلَمْهُ اللّٰهُ ؕؔ وَ
تَزَوَّدُوْا فَاِنَّ خَيْرَ الزَّادِ التَّقْوٰى ۫ وَ اتَّقُوْنِ يٰۤاُولِي الْاَلْبَابِ ﴿١٩٧﴾ لَيْسَ
عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ اَنْ تَبْتَغُوْا فَضْلًا مِّنْ رَّبِّكُمْ ؕ فَاِذَاۤ اَفَضْتُمْ مِّنْ عَرَفٰتٍ
فَاذْكُرُوا اللّٰهَ عِنْدَ الْمَشْعَرِ الْحَرَامِ ۪ وَ اذْكُرُوْهُ كَمَا هَدٰىكُمْ ۚ وَ اِنْ كُنْتُمْ
مِّنْ قَبْلِهٖ لَمِنَ الضَّآلِّيْنَ ﴿١٩٨﴾

ترجمہ: حج کے کئی مہینے ہیں جانے ہوئے، تو جو اُن میں حج کی نیت کرے تو نہ عورتوں کے سامنے صحبت کا تذکرہ ہو نہ کوئی گناہ نہ کسی سے جھگڑا حج کے وقت تک، اور تم جو بھلائی کرو اللہ اُسے جانتا ہے اور توشہ ساتھ لو کہ سب سے بہتر توشہ پرہیزگاری ہے اور مجھ سے ڈرتے رہو اے عقل والو۔ تم پر کچھ گناہ نہیں کہ اپنے رب

کا فضل تلاش کرو تو جب عرفات سے پلٹو تو اللہ کی یاد کرو مشعرِ حرام کے پاس اور اُس کا ذکر کرو جیسے اُس نے تمہیں ہدایت فرمائی اور بیشک تم اُس سے پہلے بہکے ہوئے تھے۔

مذکورہ بالا دو آیات میں اللہ تعالیٰ نے حج کا وقت، حج کے ممنوعات اور وقوف عرفات اور وقوف مزدلفہ کو ذکر فرمایا ہے۔ حج کا وقت شوال، ذوالقعدہ اور ذوالحجہ کے دس دن ہیں۔ اِن دنوں سے پہلے حج کے افعال جائز نہیں اور احرام باندھنا بھی مکروہ ہے۔ تین باتوں سے خصوصی طور پر منع فرمایا ہے ۱۔ رفث، ۲۔ فسوق، ۳۔ جدال۔ **رفث** سے مراد جماع یا عورتوں کے سامنے جماع کی باتیں کرنا یا فحش کلامی کرنا ہے۔ ہاں البتہ محرم اور محرمہ کا نکاح کرنا جائز ہے مگر جماع جائز نہیں۔ **فسوق** سے مراد گناہ، ممنوعاتِ شرعیہ، کسی کو برے اَلقاب سے یاد کرنا اور اِسی قسم کے ناپسندیدہ کام ہے۔ **جدال** سے مراد لڑائی جھگڑا ہے۔ پھر فرمایا کہ حج و عمرہ کے لیے زادِ راہ لے لو اور بتادیا کہ بہترین زادِ راہ اللہ تعالیٰ سے ڈرنا ہے۔ پہلے یمن کے لوگ حج و عمرہ کے لیے آتے تھے مگر توشہ نہ ہونے کی وجہ سے لوگوں سے سوال کرتے تھے۔ اس لیے خاص طور پر مانگنے یا سوال کرنے والوں کو تادیب کی گئی ہے اور اجازت دی کہ اگر زادِ راہ نہ ہو تو ساتھ میں کچھ سامان تجارت لے لو تاکہ لوگوں سے مانگنا نہ پڑے۔ لہذا اتنی تجارت کی اجازت ہے کہ جس سے حج کی ادائیگی میں خلل اندازی نہ ہو۔ پھر عرفات سے مزدلفہ لوٹ جانے کا حکم دیا جس سے پتہ چلا کہ عرفات اور مزدلفہ کا وقوف ضروری ہے اور حدیث شریف سے وقوف عرفات کی فرضیت اور وقوف مزدلفہ کا وجوب ثابت ہے۔

مسئلہ نمبر ۱۳۱: تکبیرات تشریق۔ رمی جمرات کا وقت۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَ اذْكُرُوا اللّٰهَ فِیْۤ اَیَّامٍ مَّعْدُوْدٰتٍ ؕ فَمَنْ تَعَجَّلَ فِیْ یَوْمَیْنِ فَلَاۤ اِثْمَ عَلَیْهِ ۚ وَ مَنْ تَاَخَّرَ فَلَاۤ اِثْمَ عَلَیْهِ ۙ لِمَنِ اتَّقٰى ؕ وَ اتَّقُوا اللّٰهَ وَ اعْلَمُوْۤا اَنَّكُمْ اِلَیْهِ تُحْشَرُوْنَ ﴿۲۰۳﴾

ترجمہ: اور اللہ کی یاد کرو گنے ہوئے دنوں میں تو جو جلدی کرکے دو دن میں چلا جائے اُس پر کچھ گنا نہیں اور جو رہ جائے تو اُس پر گناہ نہیں پرہیز گار کے لیے اور اللہ سے ڈرتے رہو اور جان رکھو کہ تمہیں اُسی کی طرف اٹھنا ہے۔

مذکورہ بالا آیتِ مبارکہ میں معلومہ ایام میں ذکر اللہ کا حکم دیا۔ معلومہ ایام سے مراد نویں ذوالحجہ کی فجر سے لے کر تیرہ تاریخ کی عصر تک کا وقت ہے اور ذکر اللہ سے مراد تکبیراتِ تشریق یعنی **اللہ اکبراللہ اکبرلاالہ الااللہ واللہ اکبر اللہ اکبر وللہ الحمد** ہے۔ لہٰذا نویں ذی الحجہ کی فجر سے تیرھویں کی عصر تک ہر نماز فرض پنج گانہ کے بعد جو جماعتِ مستحبہ کے ساتھ ادا کی گئی ایک بار تکبیر بلند آواز سے واجب اور تین بار افضل ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے رمی جمرات کے اوقات کو بیان فرمایا یعنی جو کوئی یوم النحر دس تاریخ کو کنکری مارنے کے بعد دو دن اور کنکری مار کر چلا جائے اور چوتھے دن کی کنکری کے لیے نہ رکے تو کوئی حرج نہیں ہے۔ اور جو چوتھے دن بھی کنکری مارنے کے لیے رک جائے تو یہ افضل ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے چوتھے دن بھی کنکری ماری تھی۔ بہرحال جو تین دن کی کنکری مار کر جانا چاہے تو چوتھے دن کے طلوعِ فجر سے پہلے پہلے چلا جائے ورنہ چوتھے دن کی بھی کنکری مارنا واجب ہو جائیگی۔

مسئلہ نمبر ۳۲: شراب اور جوئے کی حرمت۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

یَسْــَٔلُوْنَكَ عَنِ الْخَمْرِ وَ الْمَیْسِرِ ؕ قُلْ فِیْهِمَاۤ اِثْمٌ كَبِیْرٌ وَّ مَنَافِعُ لِلنَّاسِ٘ وَ اِثْمُهُمَاۤ اَكْبَرُ مِنْ نَّفْعِهِمَا ؕ ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ ﴿۲۱۹﴾

ترجمہ: تم سے شراب اور جوئے کا حکم پوچھتے ہیں تم فرمادو کہ اِن دونوں میں بڑا گناہ ہے اور لوگوں کے کچھ دنیوی نفع بھی اور ان کا گناہ ان کے نفع سے بڑا ہے۔

ابتدائے اسلام میں شراب کی حرمت کا حکم نازل نہ ہوا تھا لہذا مسلمانوں میں اس کا استعمال جاری تھا۔ پھر بعد میں حضرت عمر اور دیگر صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین نے عرض کی کی یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آپ ہمیں شراب کے بارے میں فتویٰ دیں کہ یہ عقل کو سلب اور مال کو ضائع کرتی ہے۔ چنانچہ یہ آیتِ مبارکہ نازل ہوئی۔ اِس آیت کے نزول کے بعد بعض لوگوں نے شراب نوشی چھوڑدی اور بعض لوگ پیتے رہے۔ ایک مرتبہ ایسا ہوا کہ بعض لوگ نماز ادا کررہے تھے تو امام نے شراب کے نشہ کی وجہ سے سورہ الکافرون کی تلاوت کے دوران ﴿لَا﴾ نہیں پڑھا۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے وحی نازل فرمائی کہ "تم نماز نہ پڑھو جب نشہ کی حالت میں ہو"۔ اس کے بعد لوگوں نے نماز کے اوقات میں شراب ترک کردی۔ لیکن ایک مرتبہ کسی مجلس میں شراب کے نشہ کی وجہ سے لڑائی جھگڑا ہوگیا۔ جس پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی کہ اے اللہ! تو شراب کے بارے میں واضح حکم نازل فرما۔ اُس کے بعد اللہ تعالیٰ نے شراب اور جوئے کی حرمت واضح لفظوں میں بیان فرمائی اور ارشاد فرمایا کہ: ﴿إِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَيْسِرُ﴾ ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ ﴿فَهَلْ أَنْتُم

مُّنۡتَهُوۡنَ ﴿﴾۔ سبحان اللہ اِس حکم کے نازل ہونے کے بعد تمام لوگوں نے شراب اور جوئے سے مکمل طور پر کنارہ کشی کر لی۔

مسئلہ نمبر ۳۳: یتیم کے مال کے احکام۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَ يَسۡـَٔلُوۡنَكَ عَنِ الۡيَتٰمٰى ؕ قُلۡ اِصۡلَاحٌ لَّهُمۡ خَيۡرٌ ؕ وَ اِنۡ تُخَالِطُوۡهُمۡ فَاِخۡوَانُكُمۡ ؕ وَ اللّٰهُ يَعۡلَمُ الۡمُفۡسِدَ مِنَ الۡمُصۡلِحِ ؕ وَلَوۡ شَآءَ اللّٰهُ لَاَعۡنَتَكُمۡ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَزِيۡزٌ حَكِيۡمٌ ﴿۲۲۰﴾

ترجمہ: اور تم سے یتیموں کا مسئلہ پوچھتے ہیں تم فرماؤ ان کا بھلا کرنا بہتر ہے اور اگر اپنا ان کا خرچ ملا لو تو وہ تمھارے بھائی ہیں اور خدا خوب جانتا ہے بگاڑنے والے کو سنوارنے والے سے اور اللہ چاہتا تو تمہیں مشقت میں ڈالتا بیشک اللہ زبردست حکمت والا ہے۔

ابتداء میں یتیم کے مال کی حفاظت کے لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ جو لوگ یتیموں کا مال کھاتے ہیں وہ اپنے پیٹ میں آگ بھرتے ہیں، جس کی وجہ سے لوگ یتیم کے مال میں بہت زیادہ احتیاط کرنے لگے حتیٰ کہ یتیم کے مال سے یتیم کے لیے الگ کھانا بنانے لگے، یتیم کے فرش تک پر نہ بیٹھتے جس کی وجہ سے یتیم بچے بھی اور خود یتیموں کے اولیاء بھی دقت و پریشانی کا شکار ہو گئے۔ چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اِس بارے میں استفسار کیا گیا تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی اور اجازت دی کہ یتیم کے مال کے بارے خیر خواہی سے کام لو اور اگر بعض صورتوں میں یتیم کا مال ملانا پڑے مثلاً کھانا وغیرہ میں تو ملا سکتے ہو کہ وہ تمھارے دینی بھائی ہیں۔

مگر نیت اچھی رکھو نہ کہ یتیم کا مال ہڑپ کرنے کی کیونکہ اللہ سب کچھ جانتا ہے۔ ہاں یتیم کا مال اِس طرح نہ ملا لیا جائے کہ اب اپنے مال سے اُسے جدا کرنا ممکن نہ رہے کیونکہ بہرحال یتیم کے سمجھ دار ہونے کے بعد اُس کا بچا ہوا مال تو اُسے واپس کرنا ہی ہو گا۔

مسئلہ نمبر ۳۴: مؤمن مرد اور عورت کا نکاح کسی مشرک مرد و عورت سے جائز نہیں۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَلَا تَنْكِحُوا الْمُشْرِكٰتِ حَتّٰى يُؤْمِنَّ ؕ وَلَاَمَةٌ مُّؤْمِنَةٌ خَيْرٌ مِّنْ مُّشْرِكَةٍ وَّ لَوْ اَعْجَبَتْكُمْ ۚ وَ لَا تُنْكِحُوا الْمُشْرِكِيْنَ حَتّٰى يُؤْمِنُوْا ؕ وَ لَعَبْدٌ مُّؤْمِنٌ خَيْرٌ مِّنْ مُّشْرِكٍ وَّ لَوْ اَعْجَبَكُمْ ؕ اُولٰٓئِكَ يَدْعُوْنَ اِلَى النَّارِ ۖۚ وَ اللّٰهُ يَدْعُوْٓا اِلَى الْجَنَّةِ وَ الْمَغْفِرَةِ بِاِذْنِهٖ ۚ وَ يُبَيِّنُ اٰيٰتِهٖ لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُوْنَ ﴿۲۲۱﴾

ترجمہ: اور شرک والی عورتوں سے نکاح نہ کرو جب تک مسلمان نہ ہوجائیں، اور بیشک مسلمان لونڈی مشرکہ سے اچھی اگرچہ وہ تمہیں بھاتی ہو، اور مشرکوں کے نکاح میں نہ دو جب تک وہ ایمان نہ لائیں، اور بیشک مسلمان غلام مشرک سے اچھا ہے اگرچہ وہ تمہیں بھاتا ہو، وہ دوزخ کی طرف بلاتے ہیں، اور اللہ جنت اور بخشش کی طرف بلاتا ہے اپنے حکم سے اور اپنی آیتیں لوگوں کے لیے بیان کرتا ہے کہ کہیں وہ نصیحت مانیں۔

مذکورہ بالا آیتِ طیبہ کے ابتدائی حصہ میں مسلمان مردوں کو واضح لفظوں میں غیر مسلم خواتین سے نکاح کرنے سے منع کردیا گیا اور بتادیا کہ مشرکہ عورت تمھیں

کتنی ہی پسند ہو اس سے مسلمان باندی بہتر ہے اسی طرح مسلمان خواتین کی غیر مسلم سے نکاح کی ممانعت فرمادی گئی اگرچہ وہ غیر مسلم اہلِ کتاب ہی کیوں نہ ہوں۔ آیتِ طیبہ میں وارد الفاظ کی ممانعت تمام غیر مسلم خواتین کو شامل ہے مگر مسلمان مردوں کو کتابیہ عورت یعنی یہودیہ اور عیسائی عورت سے نکاح کی اجازت سورہ مائدہ کی آیت ﴿وَالْمُحْصَنَاتُ مِنَ الَّذِينَ أُوتُواْ الْكِتَابَ﴾ میں دی گئی ہے۔ مگر یہ اجازت دو شرائط پر موقوف ہے۔ (۱) وہ عورت واقعی اہلِ کتاب ہو (۲) حربیہ نہ ہو۔ اور فی زمانہ اِن دو شرائط کا پایا جانا بہت مشکل ہے۔ جہاں تک پہلی شرط کا تعلق ہے تو فی زمانہ عیسائی ممالک میں رہنے والے اکثر لوگ سائنس پرست اور دین سے بیزار ہیں گو کہ خود کو عیسائی یا یہودی کہتے ہیں کیونکہ یہ لوگ اپنی کتاب کے مقابلے میں سائنس کی تصدیق کرتے ہیں اور کتاب کی تکذیب، یہ ہی وجہ ہے کہ آج عیسائی دنیا میں عمومی طور پر دین سے بیزاری پائی جاتی ہے۔ جس کی وجہ سے اُن کے چرچ آئے دن بکتے رہتے ہیں۔ نیز یہ لوگ بات بات میں کفریات بکتے ہیں حتیٰ کہ غصہ کی حالت میں خدائے تعالیٰ کو برا بھلا کہنا اِن کا معمول ہے۔ لہٰذا قانون شریعت کی رو سے یہ لوگ اپنے مذہب کے مرتد ہیں۔ جہاں تک دوسری شرط کا تعلق ہے تو فقہی اعتبار سے یہ لوگ حربی ہیں اگرچہ اِن کے ممالک دارالحرب نہ ہوں بلکہ دارالکفر یا دارالمعاھد ہوں۔ وجہ اس کی یہ ہے کہ فقہاء کرام نے کفار کی تین اقسام بیان کی ہیں۔ ۱۔ **ذمی:** جو اسلامی حکومت کو ذمہ ٹیکس دے۔ ۲۔ **مستامن:** جو اسلامی ملک میں زیادہ سے زیادہ دو سال کی اجازت لے کر عارضی طور پر آیا ہو۔ ۳۔ **حربی:** جو دارالحرب یا دارالکفر یا دارالمعاھد کا رہنے والا ہو یا جو ذمی یا مستامن نہ ہو۔ فی زمانہ دنیا میں کسی بھی مسلمان ملک میں کفار

سے ذمہ ٹیکس نہیں لیا جاتا لہٰذا یہ ذمی نہ ہوئے۔ نیز مستامن یا مستامنہ نکاح کے معاملے میں حربی ہی کے حکم ہے۔ اسی لیے اورنگزیب عالمگیر رحمۃ اللہ علیہ کے استاد علامہ ملا جیون رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے زمانے کے کفار کے بارے میں فرمایا:

"فَانْظُرُوْا يَا أَيُّهَا الْمُؤْمِنُوْنَ! هَلْ فِيْ هَذَا الزَّمَانِ ذِمِّيٌّ وَتَفَكَّرُوْا يَا أَيُّهَا الْمُسْلِمُوْنَ! إِنْ هُمْ إِلاَّ حَرْبِيٌّ وَمَا يَعْقِلُهَا إِلاَّ الْعَالِمُوْنَ"۔

(التفسیرات الاحمدیہ رقم الصفحہ ۴۵۸ مطبوعہ: مکتبہ الحرم۔لاہور)

ترجمہ: پس غور کرو اے ایمان والو! کیا اس زمانے میں کوئی ذمی ہے؟ اور سوچو اے مسلمانوں! اس زمانے کے تمام کفار حربی ہیں۔ اور اس بات کو صرف علماء ہی جانتے ہیں۔

نیز حربیہ کتابیہ سے نکاح کی ممانعت کی وجہ یہ ہے کہ وہ بچوں کو معاذاللہ کافر بنالے گی جیسا کہ آج کل دیکھنے میں آرہا ہے۔

مسئلہ نمبر ۳۵: ماہواری میں قربت جائز نہیں۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَ يَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْمَحِيْضِ ؕ قُلْ هُوَ اَذًى ۙ فَاعْتَزِلُوا النِّسَآءَ فِي الْمَحِيْضِ ۙ وَ لَا تَقْرَبُوْهُنَّ حَتّٰى يَطْهُرْنَ ۚ فَاِذَا تَطَهَّرْنَ فَاْتُوْهُنَّ مِنْ حَيْثُ اَمَرَكُمُ اللّٰهُ ؕ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ التَّوَّابِيْنَ وَ يُحِبُّ الْمُتَطَهِّرِيْنَ ﴿۲۲۲﴾

ترجمہ: اور تم سے پوچھتے ہیں حیض کا حکم، تم فرماؤ وہ ناپاکی ہے تو عورتوں سے الگ رہو حیض کے دنوں میں، اور اُن سے نزدیکی نہ کرو جب تک پاک نہ ہولیں،

پھر جب پاک ہو جائیں تو اُن کے پاس جاؤ جہاں سے تمہیں اللہ نے حکم دیا بیشک اللہ پسند کرتا ہے بہت توبہ کرنے والوں کو اور پسند رکھتا ہے ستھروں کو۔

حالتِ حیض کے حوالے سے یہود و نصاریٰ اِفراط و تفریط کا شکار تھے۔ یہود خواتین کو حالتِ حیض میں گھروں سے نکال دیا کرتے یا کمرے میں محبوس کر دیا کرتے، اُن کی طرف نظر نہ کرتے، بات نہ کرتے اور انھیں ناپاک گمان کرتے تھے۔ اِس کے برعکس نصاریٰ کے یہاں اِس حالت میں ہمبستری تک جائز تھی۔ اسلام نے میانہ روی کا حکم دیا اور بتادیا کہ اِن دنوں میں عورت ناپاک نہیں ہوتی ہاں البتہ اِن دنوں میں ہمبستری جائز نہیں کہ یہ خواتین کے لیے تکلیف کا باعث اور مرد کے لیے طبی طور پر نقصان دہ ہے۔ اور جب اپنے مخصوص ایام سے پاک ہو جائیں تو اُن سے ہمبستری اُس مقام سے جائز ہے جہاں سے اللہ تعالیٰ نے اجازت دی۔ اُس مقام کا بیان اِسی آیت کے اگلے حصے میں ہے۔

مسئلہ نمبر ۳۶: کس مقام سے ہمبستری جائز ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

نِسَآؤُكُمْ حَرْثٌ لَّكُمْ ۪ فَاْتُوْا حَرْثَكُمْ اَنّٰى شِئْتُمْ ۫ وَ قَدِّمُوْا لِاَنْفُسِكُمْ ؕ وَ اتَّقُوا اللّٰهَ وَ اعْلَمُوْۤا اَنَّكُمْ مُّلٰقُوْهُ ؕ وَ بَشِّرِ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۲۲۳﴾

ترجمہ: تمھاری عورتیں تمھارے لیے کھیتیاں ہیں تو آؤ اپنی کھیتی میں جس طرح چاہو اور اپنے بھلے کا کام پہلے کرو، اور اللہ سے ڈرتے رہو اور جان رکھو کہ تمہیں اُس سے ملنا ہے، اور اے محبوب بشارت دو ایمان والوں کو۔

الحمدللہ اسلام دینِ فطرت اور مکمل ضابطۂ حیات ہے۔ اس لیے اپنے پیروکاروں کو ہر معاملے میں مکمل ہدایت فراہم کرتا ہے۔ فی زمانہ جہاں لوگ ہوس پرستی کا شکار ہیں اور ہر جائز یا ناجائز کام کو اپنانے میں اپنی آزادی تصور کرتے ہیں خواہ وہ کام نسلِ انسانی کے لیے کتنا ہی نقصان دہ ہو، ایسے میں اسلام بھٹکی ہوئی انسانیت کی عمومی طور پر اور مسلمانوں کی خصوصی طور پر رہنمائی کرکے ذلیل، گندے، برے، بے حیا کاموں سے روکتا ہے۔ مذکورہ بالا حکم بھی اسی لیے دیا گیا تاکہ انسان برائی سے بچ سکے۔ اسلامی نقطۂ نظر سے میاں بیوی کے تعلق کی بنیاد ہوس پرستی اور شہوت رانی نہیں بلکہ نسلِ انسانی کی حفاظت اور اللہ عزوجل ورسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فرمانبرداروں میں اضافہ کرنا اور جائز طریقے سے اپنی فطری تقاضے کو پورا کرنا ہے۔ لہذا اسلام نے میاں بیوی کے تعلقات کے حوالے سے بھی مکمل رہنمائی فرمائی ہے اور خصوصی طور پر جہاں شیطان لوگوں کو بہکاتا ہے وہاں حکم دیدیا کہ تم اپنی جنسی خواہش اُسی مقام سے پوری کرو جہاں سے نسلِ انسانی کو فائدہ ہو اور اپنا جوہرِ حیات وہاں نہ گراؤ جہاں ہوس پرستی کے سوا کچھ حاصل نہ ہو۔ اِسی لیے آیتِ مبارکہ میں وہ مقام جہاں سے جنسی تعلقات قائم کیے جاتے ہیں اُسے کھیتی سے تعبیر فرمایا اور کھیتی اُس جگہ کو کہتے ہیں جہاں بیج ڈالا جائے تو پیداوار ہو۔ لہذا ظاہر ہوا کہ بیوی سے اگلے مقام ہی میں قربت جائز ہے اور پچھلے مقام میں قربت کرنا ناجائز و حرام ہے۔ البتہ اِس بات کی اجازت دی کہ اپنی کھیتی میں جس طرف سے، جس انداز سے داخل ہونا چاہو تمھاری مرضی ہے۔

مسئلہ نمبر ۳۷: زیادہ قسمیں (یمین) کھانے اور گناہ کی قسم کی ممانعت۔

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَ لَا تَجْعَلُوا اللّٰهَ عُرْضَةً لِّاَيْمَانِكُمْ اَنْ تَبَرُّوْا وَ تَتَّقُوْا وَ تُصْلِحُوْا بَيْنَ النَّاسِ ؕ وَ اللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ﴿۲۲۴﴾

ترجمہ: اور اللہ کو اپنی قسموں کا نشانہ نہ بنالو کہ احسان اور پرہیزگاری اور لوگوں میں صلح کرنے کی قسم کرلو اور اللہ سنتا جانتا ہے۔

مذکورہ بالا آیتِ طیبہ کی شان نزول کے بارے میں مفسرینِ کرام نے لکھا کہ یہ حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں نازل ہوئی۔ آپ کی اپنے بہنوئی سے ناچاقی ہوگئی تھی جس پر آپ نے قسم کھائی کہ نہ میں اُن سے بات کروں گا اور نہ نیکی کا سلوک کروں گا اور نہ ہی اُن کے مخالفین سے اُن کی صلح کرواؤں گا۔ جب یہ آیت نازل ہوئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اُن سے دو مرتبہ ارشاد فرمایا کہ اپنی قسم توڑ دو اور تیسری مرتبہ یہ فرمایا کہ اپنی قسم توڑ دو اگر تم اللہ اور قیامت کے دن پر ایمان رکھتے ہو۔ المختصر یہ کہ اگر انسان گناہ کے کام پر قسم کھالے تو اُسے توڑنا واجب ہے اور جائز ومباح کام کی قسم کھالے اور اُس کام کے بجائے دوسرے کام میں بھلائی اور نیکی دیکھے تو توڑنا افضل ہے۔ اسی طرح اِس آیتِ طیبہ سے زیادہ قسمیں کھانے کی ممانعت بھی ثابت ہوئی کہ فرمایا گیا کہ اللہ کے نام کو اپنی قسموں کا نشانہ نہ بنالو۔ لہٰذا زیادہ قسمیں کھانے سے پرہیز کرنا چاہیے۔ علامہ جیون رحمۃ اللہ علیہ نے حدیث شریف کے حوالے سے لکھا کہ زیادہ قسمیں کھانا اگرچہ سچ ہوں فقر وتنگدستی کا باعث ہیں۔

مسئلہ نمبر ۳۸: یمین (قسم) کی اقسام اور ان کے احکام۔

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

لَا يُؤَاخِذُكُمُ اللّٰهُ بِاللَّغْوِ فِيْٓ اَيْمَانِكُمْ وَلٰكِنْ يُّؤَاخِذُكُمْ بِمَا كَسَبَتْ قُلُوْبُكُمْ ۭ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ حَلِيْمٌ ﴿۲۲۵﴾

ترجمہ: اللہ تمہیں نہیں پکڑتا اُن قسموں میں جو بے ارادہ زبان سے نکل جائے ہاں اِس پر گرفت فرماتا ہے جو کام تمھارے دلوں نے کئے، اور اللہ بخشنے والا حلم والا ہے۔

یمین یعنی قسم کی تین قسمیں ہیں: (۱) یمین لغو (۲) غموس (۳) یمین مُنعَقِدہ۔

یمین لغو سے مراد وہ قسم ہے جو انسان ماضی (یعنی گذشتہ ایام) میں کسی کام کے ہونے یا ہونے کا گمان کرکے قسم اٹھائے اور نیت جھوٹ بولنے کی بھی نہ ہو اور وہ کام اُس کے گمان کے برخلاف نکلے۔ اِس قسم کا نہ کفارہ ہے اور نہ ہی گناہ بلکہ معافی کی امید ہے جیساکہ آیتِ طیبہ فرمایا گیا اللہ تعالیٰ یمین لغو میں تمھاری پکڑ نہیں فرمائیگا۔

یمین غموس سے مراد وہ قسم ہے جو انسان ماضی (یعنی گذشتہ ایام) میں کسی کام کے ہونے یا نہ ہونے کے بارے جانتے بوجھتے جھوٹی قسم کھائے۔ یہ نہایت سخت گناہ ہے اور ایسی قسم کھانے والا خود کو گناہ کے سمندروں میں ڈبو دیتا ہے مگر کفارہ نہیں ہے۔ اس پر توبہ واجب ہے ورنہ سخت پکڑ کا اندیشہ ہے۔ اگر اِس قسم کے ذریعہ کسی کا مال ہڑپ کرلیا یا عزت خراب کی تو، توبہ اُسی صورت میں قبول ہوگی پہلے اُس کا مال

واپس کرے، اُس کی بدنامی کا مداوا کرے یا صاحبِ حق سے معافی مانگ کر اسے راضی کرلے۔

یمین منعقدہ سے مراد وہ قسم ہے جو انسان مستقبل یعنی آئندہ کسی کام کے کرنے یا نہ کرنے کی قسم اٹھائے۔ اس کا حکم یہ ہے کہ اگر فرض یا واجب کام کی قسم کھائی تو اُسے پورا کرنا لازمی ہے۔ اگر گناہ کے ارتکاب کی قسم کھائی تو توڑنا واجب ہے اور کفارہ ادا کرے۔ اور جائز و مباح کی قسم کھائی تو پورا کرے اور اگر اس کام کے بجائے دوسرے کام میں بھلائی دیکھے تو توڑنا افضل ہے۔ لہذا پہلے اس افضل کام کو بجالائے پھر اس قسم کو توڑنے کا کفارہ ادا کردے۔ (قسم کے کفارہ کی تفصیل ان شاء اللہ سورۂ مائدہ میں آئے گی)۔

مسئلہ نمبر ۳۹: ایلاء (اپنی بیوی سے ہمبستری نہ کرنے کی قسم) کا بیان۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

لِلَّذِيْنَ يُؤْلُوْنَ مِنْ نِّسَآىِٕهِمْ تَرَبُّصُ اَرْبَعَةِ اَشْهُرٍ ۚ فَاِنْ فَآءُوْ فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۲۲۶﴾ وَاِنْ عَزَمُوا الطَّلَاقَ فَاِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ﴿۲۲۷﴾

ترجمہ: اور وہ جو قسم کھا بیٹھتے ہیں اپنی عورتوں کے پاس جانے کی انہیں چار مہینے کی مہلت ہے، پس اگر اِس مدت میں پھر آئے تو اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔ اور اگر چھوڑ دینے کا ارادہ پکا کرلیا تو اللہ سنتا جانتا ہے۔

بعض مفسرین نے لکھا کہ عربوں کی عادت تھی کہ جب انھیں اپنی بیوی سے رغبت نہ رہتی تو وہ اُسے غیرت یا اِس خوف سے طلاق نہ دیتے کہ یہ کسی اور سے نکاح کرلے گی بلکہ قسم کھا کر کہہ دیتے کہ اب میں تم سے قربت نہیں کرونگا اور اس عورت کو

نہ خود رکھتے اور نہ ہی غیر سے نکاح کرنے دیتے۔ اللہ تعالیٰ نے اِس ظلم کا مٹانے کے لیے یہ آیتِ طیبہ نازل فرمائی۔ اِس میں واضح کر دیا گیا ہے کہ جو کوئی اپنی بیوی سے ایلاء کرے یعنی چار ماہ یا اِس سے زائد مدت دور رہنے کی قسم کھائے اور وہ چار ماہ کے اندر اندر اپنی قسم کو نہ توڑے تو اُس کی بیوی کو ایک طلاق بائن ہو جائیگی۔ قسم کی دو صورتیں ہیں: ایک یہ کہ اللہ تعالیٰ یا اُس کی اُن صفات کی قسم کھائی جن کی قسم کھائی جاتی ہے مثلاً اُس کی عظمت و جلال کی قسم، اُس کی کبریائی کی قسم، قرآن کی قسم، کلام اللہ کی قسم۔ قسم کی دوسری صورت تعلیق ہے مثلاً یہ کہ اگر اس سے ہمبستری کروں تو میرا غلام آزاد ہے، یا میری عورت کو طلاق ہے، یا مجھ پر اتنے دنوں کا روزہ ہے یا حج ہے۔

مسئلہ نمبر ۴۰: طلاق یافتہ (مطلقہ) کی عدت کی مدت اور طلاقِ رجعی میں رجعت کا بیان اور میاں بیوی کے حقوق۔

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَ الْمُطَلَّقٰتُ یَتَرَبَّصْنَ بِاَنْفُسِهِنَّ ثَلٰثَةَ قُرُوْٓءٍ ؕ وَلَا یَحِلُّ لَهُنَّ اَنْ یَّكْتُمْنَ مَا خَلَقَ اللّٰهُ فِیْٓ اَرْحَامِهِنَّ اِنْ كُنَّ یُؤْمِنَّ بِاللّٰهِ وَ الْیَوْمِ الْاٰخِرِ ؕ وَ بُعُوْلَتُهُنَّ اَحَقُّ بِرَدِّهِنَّ فِیْ ذٰلِكَ اِنْ اَرَادُوْٓا اِصْلَاحًا ؕ وَ لَهُنَّ مِثْلُ الَّذِیْ عَلَیْهِنَّ بِالْمَعْرُوْفِ ۪ وَ لِلرِّجَالِ عَلَیْهِنَّ دَرَجَةٌ ؕ وَ اللّٰهُ عَزِیْزٌ حَكِیْمٌ ﴿۲۲۸﴾

ترجمہ: اور طلاق والیاں اپنی جانوں کو روکے رہیں تین حیض تک، اور انہیں حلال نہیں کہ چھپائیں وہ جو اللہ نے اُن کے پیٹ میں پیدا کیا اگر اللہ اور قیامت پر

ایمان رکھتی ہیں، اور اُن کے شوہروں کو اِس مدت کے اندر ان کے پھیر لینے کا حق پہنچتا ہے اگر ملاپ چاہیں، اور عورتوں کا بھی حق ایسا ہی ہے جیسا ان پر ہے شرع کے موافق اور مردوں کو ان پر فضیلت ہے اور اللہ غالب حکمت والا ہے۔

طلاق کی عدت کی مدت: تین طرح پر ہے۔ اگر عورت حاملہ ہے تو اس کی عدت وضع حمل ہے یعنی چار ماہ یا اس سے زیادہ کا حمل ساقط ہوجائے یا بچے کی ولادت ہوجائے اگرچہ طلاق یا وفات کے فوراً بعد ہوجائے، اس عورت کی عدت پوری ہوجائیگی۔ اگر عورت کو زیادہ عمر کی وجہ سے حیض بند ہوجائیں یا کم عمری کے باعث حیض نہ شروع ہوئے ہوں تو اُس کی طلاق کی عدت تین ماہ ہے۔ اور اگر عورت کو حیض آتے ہوں اور وہ حاملہ بھی نہ ہو تو اُس کی طلاق کی عدت تین حیض ہیں۔ وہ عورت جس سے نکاح کے بعد خلوت صحیحہ نہ ہوئی ہو اور اُسے طلاق ہوجائے تو اُس پر عدت نہیں ہے۔ مذکورہ بالا آیت میں اُس عورت کی عدت بیان کی گئی ہے کہ جس سے نکاح کے بعد خلوت صحیحہ یا ہمبستری ہوچکی ہو اور اسے ماہواری بھی آتی ہو۔ ایسی خاتون طلاق کے بعد تین ماہواریاں شمار کرکے جہاں چاہے نکاح کرسکتی ہے۔ اور اگر طلاق دورانِ حیض دی گئی تو اس حیض کو شمار نہیں کرینگے بلکہ اس کے بعد تین حیض کا اعتبار کیا جائیگا۔

رجعت کی صورت: اگر مرد نے طلاقِ رجعی دی یعنی ایک یا دو طلاق دی اور اس سے پہلے کوئی طلاق نہ دی اور نہ ہی بائن کے لفظ استعمال کئے تو ایسی صورت میں مرد اگر عدت کے پورے ہونے سے پہلے پہلے رجوع کرلے تو رجوع ہوجائیگا اور اگر اس صورت میں عدت کی مدت گذر چکی ہے تو عورت بائنہ ہوچکی اور وہ کسی اور سے بھی نکاح کرسکتی ہے۔ ہاں اگر سابقہ شوہر رجوع کرنا چاہے تو اب نکاح کے بغیر

رجوع نہیں ہوسکتا۔ بہرحال اگر تین طلاق ہوچکی ہوں تو اب نہ دورانِ عدت رجوع ہوسکتا اور نہ ہی بعد میں۔

میاں بیوی کے ایک دوسرے پر حقوق: اِس کی تفصیل توفقہ کی کتابوں میں ہے مگر مختصراً یہ کہ بیوی پر واجب ہے کہ وہ میاں کی خدمت کرے، ادب بجالائے، اس پر اعتراض نہ کرے، اس کے حکم کی پوری پوری پیروی کرے، اس کی ہر بات جو خلافِ شرع نہ ہومانے، وہ جب اور جیسے چاہے ہمبستری سے منع نہ کرے سوائے لواطت، حالتِ حیض اور نفاس سے۔ شوہر پرواجب ہے کہ وہ بیوی کا نان ونفقہ، لباس، رہائش دے اور مہر ادا کرے اور اسے شریعتِ مطہرہ کی تعلیم دے۔ اگرچہ میاں بیوی کے حقوق ایک دوسرے پر مساوی طور پر واجب ہیں مگر اللہ تعالیٰ نے بعض وجوہات کی بناء پر مرد کو عورت پر فضیلت دی ہے جس کا بیان سورت نساء میں آئیگا۔

مسئلہ نمبر ۴۱: طلاق رجعی اور خلع کا بیان۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

اَلطَّلَاقُ مَرَّتٰنِ ۪ فَاِمْسَاكٌۢ بِمَعْرُوْفٍ اَوْ تَسْرِيْحٌۢ بِاِحْسَانٍ ؕ وَ لَا يَحِلُّ لَكُمْ اَنْ تَاْخُذُوْا مِمَّاۤ اٰتَيْتُمُوْهُنَّ شَيْـًٔا اِلَّاۤ اَنْ يَّخَافَاۤ اَلَّا يُقِيْمَا حُدُوْدَ اللّٰهِ ؕ فَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا يُقِيْمَا حُدُوْدَ اللّٰهِ ۙ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا فِيْمَا افْتَدَتْ بِهٖ ؕ تِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ فَلَا تَعْتَدُوْهَا ۚ وَ مَنْ يَّتَعَدَّ حُدُوْدَ اللّٰهِ فَاُولٰٓىِٕكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ﴿۲۲۹﴾

ترجمہ: یہ طلاق دو بار تک ہے پھر بھلائی کے ساتھ روک لینا ہے یا نیکی کے ساتھ چھوڑ دینا ہے، اور تمہیں روا نہیں کہ جو کچھ عورتوں کو دیا اُس میں سے کچھ واپس لو مگر جب دونوں کو اندیشہ ہو کہ اللہ کی حدیں قائم نہ کریں گے، پھر اگر تمہیں خوف ہو کہ وہ دونوں ٹھیک انہیں حدوں پر نہ رہیں گے تو ان پر کچھ گناہ نہیں اس میں جو بدلہ دے کر عورت چھٹی (خلع) لے، یہ اللہ کی حدیں ہیں ان سے آگے نہ بڑھو اور جو اللہ کی حدوں سے آگے بڑھے تو وہی لوگ ظالم ہیں۔

مذکورہ بالا آیتِ طیبہ کے پہلے حصے میں طلاقِ رجعی کا بیان ہے اور دوسرے حصے میں خلع کا۔ آیتِ طیبہ کے پہلے حصے کے شانِ نزول کے حوالے سے مفسرین نے لکھا کہ ایک خاتون ام المؤمنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی خدمت میں حاضر ہوئی اور اپنے میاں کی شکایت کی کہ اس نے مجھے بہت مرتبہ طلاق دی مگر عدت کے پورے ہونے سے پہلے پہلے رجوع کرلیتا ہے۔ ام المؤمنین رضی اللہ عنہا نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بارگاہ میں عرض کی تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیتِ طیبہ نازل فرمائی۔ اس آیتِ طیبہ میں جہالت کی رسم کو ختم کرکے امتِ مسلمہ کو ایک واضح اصول دیدیا کہ وہ طلاق جس کے بعد رجوع کیا جاسکتا ہے وہ زیادہ سے زیادہ دو طلاق ہیں خواہ ایک لفظ سے دی ہوں یا دو الفاظ سے۔ اس کے بعد عدت گذرنے سے پہلے پہلے زبانی رجوع کرکے بیوی کو اچھے طریقے سے رکھ لو یا پھر اسے چھوڑ دو تاکہ عدت گذار کے آزاد ہوجائے۔ اگر دوبارہ اسے رکھنا چاہو تو اس کی مرضی سے نکاح پڑھوا کر دوبارہ میاں بیوی کی حیثیت سے رہ سکتے ہو یا عورت کا جہاں ارادہ ہو وہاں نکاح

کرسکتی ہے۔ بہرحال دو طلاق کی صورت میں عدت گذرنے کے بعد بھی حلالے کی ضرورت نہیں۔

خلع کا بیان: ایک خاتون جمیلہ رضی اللہ عنہا تھیں۔ وہ کسی وجہ سے اپنے شوہر کے ساتھ نہیں رہنا چاہتی تھیں۔ انھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بارگاہ میں علیحدگی کی عرض کی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اُن سے فرمایا کہ تم اپنے میاں کا باغ واپس کردو جو انھوں نے تمھیں بطور مہر دیا تھا تو وہ تمھیں اُس کے بدلے میں خلع دے دیں گے۔ اِس پر وہ خاتون راضی ہوگئیں۔ یہ اسلام میں پہلا خلع تھا۔ خلع طلاق ہی کی صورت ہے مگر فرق اتنا ہے کہ اس میں لفظ طلاق کے بجائے خلع شرط ہے اور عورت کی جانب سے مہر یا کچھ اور مال بطورِ بدلِ خلع دیا جاتا ہے اور خلع سے ایک طلاق بائن واقع ہوتی ہے۔ ہر وہ چیز جو مہر ہوسکتی ہے وہ بدلِ خلع بھی ہوسکتی ہے۔ بہرحال اگر زیادتی مرد کی جانب سے ہو مثلاً مار پیٹ کرتا ہو یا نان ونفقہ نہیں دیتا تو خلع کے بدلے میں کچھ لینا مکروہ ہے اور اگر زیادتی عورت کی طرف سے ہو تو مرد خلع کے بدلے میں اتنا ہی مال لے کہ جتنا دیا تھا، اِس سے زیادہ لینا مکروہ ہے۔ خلع کے احکام کی مزید تفصیل کتب فقہ میں ملاحظہ کی جاسکتی ہیں۔

مسئلہ نمبر ۴۲: طلاق غلیظہ (وہ طلاق کے جس کے بعد رجوع نہیں کیا جاسکتا) اور حلالے کا بیان۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

فَاِنۡ طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَهٗ مِنۡۢ بَعۡدُ حَتّٰى تَنۡكِحَ زَوۡجًا غَيۡرَهٗ ؕ فَاِنۡ طَلَّقَهَا فَلَا جُنَاحَ عَلَيۡهِمَآ اَنۡ يَّتَرَاجَعَآ اِنۡ ظَنَّآ اَنۡ يُّقِيۡمَا حُدُوۡدَ اللّٰهِ ؕ وَ تِلۡكَ حُدُوۡدُ اللّٰهِ يُبَيِّنُهَا لِقَوۡمٍ يَّعۡلَمُوۡنَ ﴿۲۳۰﴾

ترجمہ: پھر اگر تیسری طلاق اسے دی تو اب وہ عورت اسے حلال نہ ہوگی جب تک دوسرے خاوند کے پاس نہ رہے، پھر وہ دوسرا اگر اسے طلاق دے دے تو ان دونوں پر گناہ نہیں کہ پھر آپس میں مل جائیں اگر سمجھتے ہوں کہ اللہ کی حدیں نباہیں گے، اور یہ اللہ کی حدیں ہیں جنہیں بیان کرتا ہے دانش مندوں کے لیے۔

گذشتہ آیتِ طیبہ میں واضح کر دیا گیا تھا کہ رجوع کی حد دو طلاقیں ہیں۔ اِس آیت میں فرمادیا گیا کہ اگر مرد نے اپنی بیوی کو تیسری طلاق بھی دیدی تو اب اُس وقت تک پہلے شوہر کے لیے حلال نہیں ہوگی جب تک کہ پہلے شوہر کی عدت گذار کر کسی دوسرے مرد سے نکاح کرے اور کم از کم ایک مرتبہ میاں بیوی کا تعلق قائم ہو۔ پھر وہ مرد اُس عورت کو طلاق دیدے یا مرجائے تو عورت اُس کی عدت گذار کر سابقہ شوہر سے نکاح کر سکتی ہے۔ اِس عمل کو حلالے سے موسوم کیا جاتا ہے۔ حدیث شریف میں ہے کہ حضرت رفاعہ رضی اللہ عنہ کی زوجہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئیں اور عرض کی کہ مجھے رفاعہ سے تین طلاق ہو گئی تھیں۔ اُس کے بعد میں عبدالرحمٰن بن زبیر رضی اللہ عنہ سے نکاح کیا مگر وہ عورت کے قابل نہیں ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ کیا تم دوبارہ رفاعہ سے نکاح کرنا چاہتی ہو۔ اس نے کہاں ہاں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا نے ارشاد فرمایا کہ ایسا نہیں ہو سکتا جب تک کہ تم اپنے حالیہ شوہر کا اور وہ تمھارا شہد نہ چکھ لے۔

بہر حال حلالے کی شرط کے ساتھ نکاح کرنا ناجائز و گناہ۔ ایسے شخص کے لیے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ حلالہ کرنے والے اور جس کے لیے کروایا جائے اُن دونوں پر اللہ کی لعنت ہے۔ ہاں اگر حلالے کی شرط نکاح میں نہ ذکر کی جائے تو اس میں گناہ نہیں بلکہ دو خاندانوں کو ملانے کی نیت ہو تو ثواب کی بھی امید ہے۔

تین طلاق تین ہی ہیں: مذکورہ بالا آیت سے یہ ثابت ہو گیا کہ تین طلاقیں ایک لفظ سے دی جائیں یا تین الفاظ سے دی جائیں۔ ایک نشست میں دی جائیں یا تین نشستوں میں دی جائیں۔ ایک مہینے میں دی جائیں یا تین مہینوں میں دی جائیں وہ تین ہی ہوتی ہیں۔ اس سلسلے میں متعدّد احادیثِ مبارکہ اور آثارِ صحابہ موجود ہیں۔ اہلِ سنت کے چاروں ائمہ امام اعظم ابو حنیفہ، امام مالک، امام شافعی اور امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہم کے نزدیک ایک ساتھ تین طلاقیں دی جائیں تو تین ہی ہوتی ہیں گو کہ ایسا کرنا پسندیدہ نہیں مگر بہر حال واقع ہو جاتی ہیں۔ بعض لوگ ضعیف احادیث سے ایک ساتھ دی جانے والی تین طلاقوں کو ایک ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ اُن کی باتوں پر ہرگز دھیان نہ دیا جائے بلکہ اُن سے دور ہی رہا جائے کہ اُن کی رائے قرآن، سنت اور اجماعِ امت کے خلاف ہونے کی وجہ سے سراسر گمراہی و ضلالت ہے۔

مسئلہ نمبر ۴۳: دورانِ عدت رجوع کرنے کا بیان۔

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَ اِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ فَبَلَغْنَ اَجَلَهُنَّ فَاَمْسِكُوْهُنَّ بِمَعْرُوْفٍ اَوْ سَرِّحُوْهُنَّ بِمَعْرُوْفٍ ۠ وَ لَا تُمْسِكُوْهُنَّ ضِرَارًا لِّتَعْتَدُوْا ۚ وَ مَنْ يَّفْعَلْ

ذٰلِكَ فَقَدْ ظَلَمَ نَفْسَهٗ ؕ وَ لَا تَتَّخِذُوْۤا اٰيٰتِ اللّٰهِ هُزُوًا ۫ وَّ اذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَ مَاۤ اَنْزَلَ عَلَيْكُمْ مِّنَ الْكِتٰبِ وَ الْحِكْمَةِ يَعِظُكُمْ بِهٖ ؕ وَ اتَّقُوا اللّٰهَ وَ اعْلَمُوْۤا اَنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ شَیْءٍ عَلِیْمٌ ﴿۲۳۱﴾

ترجمہ: اور جب تم عورتوں کو طلاق دو اور ان کی میعاد آ لگے تو اس وقت تک یا بھلائی کے ساتھ روک لو یا نکوئی کے ساتھ چھوڑ دو اور انہیں ضرر دینے کے لیے روکنا نہ ہو کہ حد سے بڑھو، اور جو ایسا کرے وہ اپنا ہی نقصان کرتا ہے، اور اللہ کی آیتوں کو ٹھٹھا نہ بنالو اور یاد کرو اللہ کا احسان جو تم پر ہے اور وہ جو تم پر کتاب اور حکمت اتاری تمہیں نصیحت دینے کو، اور اللہ سے ڈرتے رہو اور جان رکھو کہ اللہ سب کچھ جانتا ہے۔

قرآن مجید میں متعدّد مقامات پر دورانِ عدت رجوع کرنے کا حکم بیان کیا گیا ہے۔ اور اِس حکم کی تکرار اِس مسئلہ کی اہمیت کے پیش نظر کی گئی ہے۔ اِس آیتِ مبارکہ میں بھی اِسی حکم کو دہرایا گیا ہے۔ ہاں خیال رہے کہ رجوع صرف طلاقِ رجعی میں ہو سکتا ہے، غلیظہ میں نہیں یعنی تین طلاق کے بعد رجوع نہیں ہو سکتا۔

مسئلہ نمبر۴۴: طلاقِ رجعی کی عدت گزر جانے کے بعد سابقہ شوہر یا کسی اور سے نکاح کرنے کا بیان۔

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَ اِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ فَبَلَغْنَ اَجَلَهُنَّ فَلَا تَعْضُلُوْهُنَّ اَنْ يَّنْكِحْنَ اَزْوَاجَهُنَّ اِذَا تَرَاضَوْا بَيْنَهُمْ بِالْمَعْرُوْفِ ؕ ذٰلِكَ يُوْعَظُ بِهٖ مَنْ كَانَ مِنْكُمْ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَ الْيَوْمِ الْاٰخِرِ ؕ ذٰلِكُمْ اَزْكٰى لَكُمْ وَ اَطْهَرُ ؕ وَ اللّٰهُ يَعْلَمُ وَ اَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۲۳۲﴾

ترجمہ: اور جب تم عورتوں کو طلاق دو اور ان کی میعاد پوری ہو جائے تو اے عورتوں کے والیو انہیں نہ روکو اس سے کہ اپنے شوہروں سے نکاح کر لیں جب کہ آپس میں موافق شرع رضامند ہو جائیں، یہ نصیحت اسے دی جاتی ہے جو تم میں سے اللہ اور قیامت پر ایمان رکھتا ہو، یہ تمھارے لیے زیادہ ستھرا اور پاکیزہ ہے، اور اللہ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے۔

حضرت معقل بن یسار رضی اللہ عنہ کی بہن کو ان کے شوہر عبداللہ بن عاصم رضی اللہ عنہ نے طلاقِ رجعی دیدی تھی۔ دورانِ عدت انھوں نے رجوع نہیں کیا مگر عدت کے پورے ہونے کے بعد رجوع کا ارادہ کیا تو حضرت معقل نے اس نکاح سے منع کیا کہ تم پہلے اس سے نبھاہ نہ کر سکے۔ اس پر یہ آیتِ طیبہ نازل ہوئی۔ شانِ نزول کے اعتبار سے تو یہ سابقہ شوہر سے دوبارہ نکاح کی دلیل ہے مگر مفسرینِ کرام نے لکھا کہ ﴿فَلَا تَعْضُلُوْهُنَّ﴾ کا فاعل اگر گذشتہ شوہر کو ٹھہرایا جائے تو معنی ہوگا کہ اے سابقہ شوہروں اب عدت کے گذر جانے کے بعد اپنی سابقہ بیویوں کو کسی اور سے نکاح کرنے سے نہ روکو۔

مسئلہ نمبر ۴۵: رضاعت (دودھ پلائی) اور اس کے متعلق چند اہم مسائل۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَ الْوَالِدٰتُ یُرْضِعْنَ اَوْلَادَهُنَّ حَوْلَیْنِ كَامِلَیْنِ لِمَنْ اَرَادَ اَنْ یُّتِمَّ الرَّضَاعَةَ ؕ وَ عَلَى الْمَوْلُوْدِ لَهٗ رِزْقُهُنَّ وَ كِسْوَتُهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ ؕ لَا تُكَلَّفُ نَفْسٌ اِلَّا وُسْعَهَا ۚ لَا تُضَآرَّ وَالِدَةٌۢ بِوَلَدِهَا وَ لَا مَوْلُوْدٌ لَّهٗ بِوَلَدِهٖ ۗ وَ عَلَى الْوَارِثِ مِثْلُ ذٰلِكَ ۚ فَاِنْ اَرَادَا فِصَالًا عَنْ تَرَاضٍ مِّنْهُمَا وَ تَشَاوُرٍ

فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا ؕ وَ اِنْ اَرَدْتُّمْ اَنْ تَسْتَرْضِعُوْۤا اَوْلَادَكُمْ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ اِذَا سَلَّمْتُمْ مَّاۤ اٰتَيْتُمْ بِالْمَعْرُوْفِ ؕ وَ اتَّقُوا اللّٰهَ وَ اعْلَمُوْۤا اَنَّ اللّٰهَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ﴿۲۳۳﴾

ترجمہ: اور مائیں دودھ پلائیں اپنے بچوں کو پورے دو برس اس کے لیے جو دودھ کی مدت پوری کرنا چاہے، اور جس کا بچہ ہے اس پر عورتوں کا کھانا پہننا ہے حسب دستور، کسی جان پر بوجھ نہ رکھا جائے گا مگر اس کے مقدور بھر، ماں کو ضرر نہ دیا جائے اس کے بچہ سے اور نہ اولاد والے کو اس کی اولاد سے، یا ماں ضرر نہ دے اپنے بچہ کو اور نہ اولاد والا اپنی اولاد کو، اور جو باپ کا قائم مقام ہے اس پر بھی ایسا ہی واجب ہے، پھر اگر ماں باپ دونوں آپس کی رضا اور مشورے سے دودھ چھڑانا چاہیں تو ان پر گناہ نہیں، اور اگر تم چاہو کہ دائیوں سے اپنے بچوں کو دودھ پلواؤ تو بھی تم پر مضائقہ نہیں جب کہ جو دینا ٹھہرا تھا بھلائی کے ساتھ انہیں ادا کر دو، اور اللہ سے ڈرتے رہو اور جان رکھو کہ اللہ تمھارے کام دیکھ رہا ہے۔

اس آیتِ طیبہ سے قبل اللہ تعالیٰ نے طلاق یافتہ خواتین کے احکام بیان فرمائے ہیں۔ اِس آیت میں اُن خواتین کا ذکر کیا ہے جن کے اولاد بھی ہو چکی ہو خواہ انھیں طلاق ہو چکی ہو یا نہ ہوئی ہو تاکہ بچے کی تربیت کے مسائل واضح ہو جائیں۔ اس ضمن میں رضاعت کی مدت، دودھ پلانے والی کی اجرت، نفقہ اور لباس، اور اجنبیہ عورت کے دودھ پلانے کی اجرت اور دیگر مسائل بیان کئے گئے ہیں۔

دودھ پلانے (رضاعت) کی مدت اور رضاعت کے رشتے: بچے کو دودھ پلانے کی مدت دو سال ہے اِس سے زیادہ کی اجازت نہیں جیسا کہ آیتِ طیبہ میں بیان

ہوا۔ ہاں البتہ نکاح کی حرمت ڈھائی سال تک کی عمر میں دودھ پلانے سے ثابت ہوجاتی ہے۔ مراد یہ ہے کہ بچے کو دودھ پلانے کی اجازت دو سال کی عمر تک ہے اور اس کے بعد دودھ پلایا تو ناجائز کیا لیکن بہرحال ڈھائی سال کی عمر تک کسی بھی عورت نے اس بچے کو دودھ پلادیا تو وہ بچہ یا بچی اس کی رضاعی اولاد ہوجائے گی۔ اور دودھ پلانے والی کا وہ شوہر (جس کا یہ دودھ ہے یعنی اس کی وطی سے بچہ پیدا، جس سے عورت کو دودھ اترا) اس دودھ پینے والے بچہ کا رضاعی باپ ہوجائے گا اور اس عورت کی تمام اولادیں، اس بچہ کے بھائی بہن ہوجائیں گے خواہ اسی شوہر سے ہوں یا کسی دوسرے شوہر سے۔ دودھ پلانے والی کی یہ اولادیں پہلے کی ہیں یا بعد کی یا ساتھ کی۔ اسی طرح دودھ پلانے والی عورت کے بھائی اور بہنیں اس بچہ کے ماموں اور خالہ ہوجائینگے۔ یوہیں دودھ پلانے والی عورت کے شوہر کی اولادیں بھی (خواہ کسی اور عورت سے ہوں) اس بچہ کے بھائی اور بہنیں اور اس شوہر کے بھائی اور بہنیں دودھ پینے والے بچہ کے چچا اور پھوپھیاں ہوجائینگے۔

دودھ پلانے کی ذمہ داری: اگر عورت ابھی شوہر کے نکاح یا عدت میں ہو تو دودھ پلانے کی ذمہ داری اُسی پر ہے اور وہ اس مدت کی اجرت کی حق دار نہیں۔ اور اگر عورت کو طلاق ہوچکی ہو تو عورت دودھ پلائی اور پرورش کی اجرت لے سکتی ہے اور باپ پر واجب ہے کہ اسے پرورش کا خرچہ دے۔ اگر بچہ کی ماں کو طلاق ہوچکی اور وہ دودھ پلانے سے انکار کرتی ہو تو باپ کی ذمہ داری ہے کہ کسی عورت کو دودھ پلانے پر رکھے اگرچہ اجرت دے کر رکھنا پڑے۔ اور اجرت میں جو عرف ہو وہ دے۔

بچہ باپ کا ہے: اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ ﴿وَعَلَى الْمَوْلُوْدِ لَهٗ﴾ یعنی اور جس کے لیے بچہ جنا گیا، یہ الفاظ واضح کر رہے ہیں کہ اولاد باپ کے لیے ہے۔ اسی لیے اس دودھ پلانے والی اجنبیہ عورت یا بچہ کی طلاق یافتہ ماں کی اجرت، نفقہ اور لباس بلکہ تربیت کا پورا خرچہ باپ پر رکھا گیا ہے۔

بچہ کے ماں باپ ایک دوسرے کو بچہ کی وجہ سے تکلیف نہ دیں: عام طور پر دیکھا گیا ہے کہ میاں بیوی کی جدائی کے بعد بچہ کے حصول کے لیے دونوں جانب سے جنگ شروع ہوجاتی ہے۔ جو زیادہ طاقتور ہوتا ہے وہ بچہ چھین لیتا ہے اور اس سلسلے میں کورٹ کچہری کا رخ کیا جاتا ہے اور کثیر روپیہ اور وقت کورٹ کچہری کی نظر کردیا جاتا ہے۔ حالانکہ لوگ جس بات پر جھگڑ رہے ہیں اس کا فیصلہ تو اللہ تعالیٰ نے پہلے ہی بیان کردیا ہے یعنی اولاد باپ کی ہے اور ماں کو پرورش کا حق حاصل ہے۔ لڑکا ساتھ اور لڑکی نو سال کی عمر تک ماں کے پاس رہیں گے۔ اس کے بعد باپ یا باپ کے خاندان کے حوالے کردیئے جائیں گے۔ اور جب وہ بالغ ہوجائیں تو انھیں اختیار ہوگا کہ ماں کے پاس رہیں یا باپ کے پاس۔ نیز آیتِ مبارکہ کے اِس حصے میں اس فضول جنگ کے علاوہ یہ بھی بتادیا گیا ہے کہ باپ کو چاہیے کہ بچہ کی وجہ سے عورت کو تکلیف نہ دے یعنی بچہ کو پرورش کے لیے ماں کے حوالے کردے اگر ممانعت کی کوئی شرعی وجہ نہ پائی جاتی ہو اور پرورش کے زمانے کا پورا خرچہ بھی دے جس میں ماں کے دودھ کی اجرت اگر وہ طلب کرے، بچہ کا خرچہ، خادم کی ضرورت ہو تو خادم کی اجرت، اگر رہائش نہ ہو تو رہائش کا بھی خرچ شامل ہے۔ یونہی عورت پر واجب ہے کہ بچہ کی وجہ سے باپ کو تکلیف نہ دے مثلاً اگر باپ غریب آدمی ہے تو

اس سے دودھ پلائی کی اجرت نہ لے، بچہ کے خرچ کے نام پر بلاوجہ خرچ نہ بڑھائے اور بچہ کے دل میں باپ کی نفرت نہ پیدا کرے بلکہ وقتاً فوقتاً باپ سے ملنے کا موقع دے۔

مسئلہ نمبر ۴۶: وفات کی عدت کا بیان۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَ الَّذِیْنَ یُتَوَفَّوْنَ مِنْكُمْ وَ یَذَرُوْنَ اَزْوَاجًا یَّتَرَبَّصْنَ بِاَنْفُسِهِنَّ اَرْبَعَةَ اَشْهُرٍ وَّ عَشْرًا ۚ فَاِذَا بَلَغْنَ اَجَلَهُنَّ فَلَا جُنَاحَ عَلَیْكُمْ فِیْمَا فَعَلْنَ فِیْۤ اَنْفُسِهِنَّ بِالْمَعْرُوْفِ ؕ وَ اللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِیْرٌ ﴿۲۳۴﴾

ترجمہ: اور تم میں جو مریں اور بیبیاں چھوڑیں وہ چار مہینے دس دن اپنے آپ کو روکے رہیں، تو جب ان کی عدت پوری ہو جائے تو اے والیو! تم پر مؤاخذہ نہیں اس کام میں جو عورتیں اپنے معاملہ میں موافقِ شرع کریں، اور اللہ کو تمھارے کاموں کی خبر ہے۔

اس آیتِ طیبہ میں اللہ تعالیٰ نے غیر حاملہ بیوہ کی عدت چار ماہ دس دن بیان فرمائی ہے۔ اگر وفات پہلی تاریخ کو ہوئی تو چاند سے چار مہینے اور دس دن عدت کرے گی اور اگر پہلی تاریخ کے علاوہ کسی اور تاریخ میں موت ہوئی تو پورے ایک سو تیس دن عدت کرے گی۔ اگر بیوہ حاملہ ہو تو اس کے لیے اللہ تعالیٰ نے سورۂ طلاق میں علیحدہ حکم بیان فرمایا کہ اُس کی عدت وضعِ حمل ہے یعنی بچہ کی پیدائش۔ بہرحال عدت پوری ہونے کے بعد خاتون کو اجازت ہے کہ چاہے تو شریعت کے بتائے ہوئے طریقہ کے مطابق کہیں نکاح کر لے۔

مسئلہ نمبر ۴۷: عدت کے دوران واضح لفظوں میں نکاح کا پیغام دینا حرام ہے۔

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَ لَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيْمَا عَرَّضْتُمْ بِهٖ مِنْ خِطْبَةِ النِّسَآءِ اَوْ اَكْنَنْتُمْ فِيْۤ اَنْفُسِكُمْ ؕ عَلِمَ اللّٰهُ اَنَّكُمْ سَتَذْكُرُوْنَهُنَّ وَ لٰكِنْ لَّا تُوَاعِدُوْهُنَّ سِرًّا اِلَّاۤ اَنْ تَقُوْلُوْا قَوْلًا مَّعْرُوْفًا ؕ۬ وَ لَا تَعْزِمُوْا عُقْدَةَ النِّكَاحِ حَتّٰى يَبْلُغَ الْكِتٰبُ اَجَلَهٗ ؕ وَ اعْلَمُوْۤا اَنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا فِيْۤ اَنْفُسِكُمْ فَاحْذَرُوْهُ ۚ وَ اعْلَمُوْۤا اَنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ حَلِيْمٌ ﴿۲۳۵﴾

ترجمہ: اور تم پر گناہ نہیں اس بات میں جو پردہ رکھ کر تم عورتوں کے نکاح کا پیام دو یا اپنے دل میں چھپا رکھو، اللہ جانتا ہے کہ اب تم ان کی یاد کرو گے ہاں ان سے خفیہ وعدہ نہ کر رکھو مگر یہ کہ اتنی ہی بات کہو جو شرع میں معروف ہے، اور نکاح کی گرہ پکی نہ کرو جب تک لکھا ہوا حکم اپنی میعاد کو نہ پہنچ لے، اور جان لو کہ اللہ تمھارے دل کی جانتا ہے تو اس سے ڈرو اور جان لو کہ اللہ بخشنے والا حلم والا ہے۔

صدر الشریعہ بدر الطریقہ مولانا امجد علی اعظمی رحمۃ اللہ علیہ بہارِ شریعت میں فرماتے ہیں کہ جو عورت عدت میں ہو اس کے پاس صراحۃً نکاح کا پیغام دینا حرام ہے اگرچہ نکاح فاسد یا عتق کی عدت میں ہو۔ اور موت کی عدت ہو تو اشارۃً کہہ سکتے ہیں۔ اور طلاقِ رجعی یا بائن یا فسخ کی عدت میں اشارۃً بھی نہیں کہہ سکتے اور وطی بالشبہ یا نکاح فاسد کی عدت میں اشارۃً کہہ سکتے ہیں۔ اشارۃً کہنے کی صورت یہ ہے کہ کہے میں نکاح کرنا چاہتا ہوں جس میں یہ یہ وصف ہوں اور وہ اوصاف بیان کرے جو اس عورت میں ہیں یا مجھے تجھ جیسی کہاں ملے گی۔

مسئلہ نمبر ۴۸: مہر کا واجب ہونا یا نہ ہونا، غیر مدخولہ مطلقہ کو جوڑا دینے کا بیان۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

لَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ اِنْ طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ مَا لَمْ تَمَسُّوْهُنَّ اَوْ تَفْرِضُوْا لَهُنَّ فَرِيْضَةً ۖۚ وَّ مَتِّعُوْهُنَّ ۚ عَلَى الْمُوْسِعِ قَدَرُهٗ وَ عَلَى الْمُقْتِرِ قَدَرُهٗ ۚ مَتَاعًا بِالْمَعْرُوْفِ ۚ حَقًّا عَلَى الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۲۳۶﴾ وَ اِنْ طَلَّقْتُمُوْهُنَّ مِنْ قَبْلِ اَنْ تَمَسُّوْهُنَّ وَ قَدْ فَرَضْتُمْ لَهُنَّ فَرِيْضَةً فَنِصْفُ مَا فَرَضْتُمْ اِلَّآ اَنْ يَّعْفُوْنَ اَوْ يَعْفُوَا الَّذِيْ بِيَدِهٖ عُقْدَةُ النِّكَاحِ ؕ وَ اَنْ تَعْفُوْٓا اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰى ؕ وَ لَا تَنْسَوُا الْفَضْلَ بَيْنَكُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ﴿۲۳۷﴾

ترجمہ: تم پر کچھ مطالبہ نہیں اگر تم عورتوں کو طلاق دو جب تک تم نے ان کو ہاتھ نہ لگایا ہو اور نہ کوئی مہر مقرر کر لیا ہو، اور ان کو کچھ برتنے کو دو، مقدور والے پر اس کے لائق اور تنگدست پر اس کے لائق، حسبِ دستور کچھ برتنے کی چیز، یہ واجب ہے بھلائی والوں پر۔ اور اگر تم نے عورتوں کو بے چھوئے طلاق دے دی اور ان کے لیے کچھ مہر مقرر کر چکے تھے تو جتنا ٹھہرا تھا اس کا آدھا واجب ہے مگر یہ کہ عورتیں کچھ چھوڑ دیں یا وہ زیادہ دے جس کے ہاتھ میں نکاح کی گرہ ہے، اور اے مردو تمھارا زیادہ دینا پرہیزگاری سے نزدیک تر ہے اور آپس میں ایک دوسرے پر احسان کو بھلا نہ دو بیشک اللہ تمھارے کام دیکھ رہا ہے۔

مذکورہ بالا آیاتِ طیبہ میں اللہ تعالیٰ نے مہر کی چند اہم صورتوں کو ذکر فرمایا ہے جو درج ذیل ہیں۔

(۱) اگر مطلقہ عورت مدخول بھا ہو یعنی ایسی خاتون ہے کہ نکاح کے بعد جس کی شوہر سے قربت ہو چکی ہو یا دونوں تنہائی میں جمع ہوئے اور انھیں قربت سے کوئی مانع نہ تھا اگرچہ قربت نہ ہوئی ہو، اور اس کا مہر بھی مقرر کیا گیا ہو تو اس کا مہر پورا پورا اسے دیا جائے گا۔

(۲) اور اگر اس کا مہر دس درہم (یعنی 30.618 گرام چاندی یا اس کی قیمت) سے کم مقرر کیا گیا تو اسے دس درہم دیا جائیگا۔

(۳) اور اگر مہر مقرر ہی نہیں کیا گیا یا مہر کی نفی کر دی گئی تھی تو اس صورت میں مہر مثل ملے گا۔ بہرحال اِن تمام صورتوں میں مطلقہ کو جوڑا دینا بھی مستحب ہے۔ مہر مثل سے مراد مطلقہ عورت کی خاندان کی کسی دوسری لڑکی جو عمر، جمال وغیرہ میں اِسی کے مثل ہو، اُس کا کتنا مہر تھا، جتنا اُس کا مہر ہو گا وہی مطلقہ لڑکی کے حق میں مہر مثل ہو گا۔

(۴) اگر مطلقہ خاتون مدخول بھا نہیں یعنی نکاح کے بعد شوہر سے نہ تو قربت ہوئی اور نہ ہی خلوت صحیحہ مگر مہر مقرر کر لیا گیا تھا تو اسے مقررہ مہر کا نصف ملے گا۔

(۵) اور اگر اس مطلقہ غیر مدخول بھا کا مہر مقرر ہی نہیں کیا گیا تو متعہ یعنی جوڑا (قمیض، شلوار اور دوپٹہ شامل ہے) واجب ہے۔

(۶) شوہر کو چاہیے کہ مہر دینے میں بخل سے کام نہ لے بلکہ سخاوت سے کام لے کر کچھ زیادہ دے۔

(۷) آیتِ طیبہ میں اشارہ کیا گیا ہے کہ طلاق کا انجام دشمنی پر نہیں ہونا چاہیے بلکہ گذشتہ زمانے کی اچھی باتوں کو یاد کرکے اچھے طریقے سے جدائی اختیار کی جائے۔

مسئلہ نمبر ۴۹: طلاق کا اختیار صرف مرد کو ہے، کورٹ کسی کی بیوی کو طلاق نہیں دے سکتی۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

الَّذِیْ بِیَدِهٖ عُقْدَةُ النِّکَاحِ ﴿۲۳۷﴾

ترجمہ: جس کے ہاتھ میں نکاح کی گرہ ہے۔

مذکورہ بالا آیتِ طیبہ کے اِس حصے میں اللہ تعالیٰ نے شوہر کے لیے جو الفاظ استعمال فرمائے ہیں ان سے صاف ظاہر ہے کہ نکاح کی گرہ شوہر کے ہاتھ میں ہے یعنی صرف اسے ہی اختیار ہے کہ وہ اس گرہ کو کھول سکے یعنی طلاق دے سکے۔ لہٰذا ظاہر ہوا کہ طلاق کا اختیار شوہر کی اجازت کے بغیر شوہر کے علاوہ کسی اور کے پاس نہیں۔ وہی طلاق دے سکتا ہے اس کی اجازت کے بغیر کوئی اور نہیں دے سکتا۔ اسی طرح خلع کا حکم ہے کہ خلع بھی طلاق ہے۔ لہٰذا خلع بھی صرف شوہر دے سکتا ہے کوئی اور شخص یا کورٹ شوہر کی اجازت کے بغیر خلع کی ڈگری جاری نہیں کرسکتے۔ یہ جو لوگوں میں مشہور ہے کہ فلاں عورت کو کورٹ سے خلع کی ڈگری جاری ہوگئی حالانکہ شوہر نے اسے ابھی خلع نہیں دی، درست نہیں ہے۔ اس کے برعکس کورٹ کے مسلمان جج کو صالح وجوہات کی بنیاد پر فسخ نکاح کی ڈگری جاری کرنے کا حق حاصل ہے۔ چنانچہ کورٹ سے جاری ہونے والی ڈگری کو خلع کے بجائے فسخ نکاح کہنا چاہیے۔

مسئلہ نمبر ۵۰: پانچوں نمازوں کی فرضیت اور درمیانی نماز کا بیان۔

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

حٰفِظُوۡا عَلَى الصَّلَوٰتِ وَ الصَّلٰوةِ الۡوُسۡطٰى ۚ وَ قُوۡمُوۡا لِلّٰهِ قٰنِتِيۡنَ ﴿۲۳۸﴾ فَاِنۡ خِفۡتُمۡ فَرِجَالًا اَوۡ رُكۡبَانًا ۚ فَاِذَآ اَمِنۡتُمۡ فَاذۡكُرُوا اللّٰهَ كَمَا عَلَّمَكُمۡ مَّا لَمۡ تَكُوۡنُوۡا تَعۡلَمُوۡنَ ﴿۲۳۹﴾

ترجمہ: نگہبانی کرو سب نمازوں کی اور بیچ کی نماز کی اور کھڑے ہو اللہ کے حضور ادب سے۔ پھر اگر خوف میں ہو تو پیادہ یا سوار جیسے بن پڑے پھر جب اطمینان سے ہو تو اللہ کی یاد کرو جیسا اس نے سکھایا جو تم نہ جانتے تھے۔

مذکورہ بالا دونوں آیات میں اللہ تعالیٰ نے نماز کے بعض احکام بیان فرمائے ہیں۔ پہلی آیتِ طیبہ سے پانچوں نمازوں کی فرضیت ثابت ہوتی ہے۔ اسی آیت کے دوسرے حصے سے قیام کی فرضیت ثابت ہے نیز نماز میں خشوع و خضوع کا حکم بھی ثابت ہے۔ صلوٰۃ وسطیٰ یعنی بیچ کی نماز کے بارے میں علماء کے مختلف اقوال ہیں۔ اکثر صحابہ مثل حضرت عمر، علی، عائشہ، ام سلمہ، حفصہ اور ابن مسعود رضی اللہ عنھم اور امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک نمازِ عصر مراد ہے۔ دوسری آیتِ طیبہ سے ظاہر ہے کہ نماز کسی حال میں چھوڑنا جائز نہیں جس طرح قدرت ہو نماز ادا کرے۔ خوف کے موقع پر نماز پڑھنے کا طریقہ سورۂ نساء میں تفصیلاً بیان کیا گیا ہے۔ ان شاء اللہ وہیں تفصیل لکھی جائے گی۔ خیال رہے کہ اللہ تعالیٰ نے نکاح، طلاق و عدت اور مہر جیسے مسائل کے درمیان نماز کا ذکر فرمایا، اس میں تنبیہ اس بات کی ہے کہ اے لوگو! اپنے ذاتی یا گھریلو مسائل میں پھنس کر نماز کو نہ بھول جانا۔ نیز یہ بھی اشارہ

کردیا کہ تمھارے ذاتی یا خانگی معاملات اسی صورت میں درست ہو سکتے ہیں جب تم نماز کی پابندی کرو۔

مسئلہ نمبر ۵۱: بیوہ کی سال بھر کی عدت، اور اس کے لیے سال بھر کے نان ونفقہ کی وصیت کا حکم منسوخ ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَ الَّذِيْنَ يُتَوَفَّوْنَ مِنْكُمْ وَ يَذَرُوْنَ اَزْوَاجًا ۚۖ وَّصِيَّةً لِّاَزْوَاجِهِمْ مَّتَاعًا اِلَى الْحَوْلِ غَيْرَ اِخْرَاجٍ ۚ فَاِنْ خَرَجْنَ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيْ مَا فَعَلْنَ فِيْۤ اَنْفُسِهِنَّ مِنْ مَّعْرُوْفٍ ؕ وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ﴿۲۴۰﴾

ترجمہ: اور جو تم میں مریں اور بیبیاں چھوڑ جائیں وہ اپنی عورتوں کے لیے وصیت کر جائیں سال بھر تک نان ونفقہ دینے کی بے نکالے پھر اگر وہ خود نکل جائیں تو تم پر اس کا مؤاخذہ نہیں جو انہوں نے اپنے معاملہ میں مناسب طور پر کیا اور اللہ غالب حکمت والا ہے۔

ابتدائے اسلام میں بیوہ کی عدّت ایک سال کی تھی اور ایک سال کامل وہ شوہر کے یہاں رہ کر نان و نفقہ پانے کی مستحق ہوتی تھی ۔ پھر ایک سال کی عدت تو ﴿يَتَرَبَّصْنَ بِأَنفُسِهِنَّ أَرْبَعَةَ أَشْهُرٍ وَعَشْراً﴾ سے منسوخ ہوئی جس میں بیوہ کی عدت چار ماہ دس دن مقرر فرمائی گئی جیساکہ مسئلہ نمبر ۴۴ میں ذکر کیا گیا۔ اور سال بھر کا نفقہ آیتِ میراث سے منسوخ ہوا جس میں عورت کا حصہ شوہر کے ترکہ سے مقرر کیا گیا لہٰذا اب اس وصیت کا حکم باقی نہ رہا۔ حکمت اس کی یہ ہے کہ عرب کے لوگ اپنے مورث کی بیوہ کا نکلنا یا غیر سے نکاح کرنا بالکل گوارا ہی نہ کرتے تھے اور اس

کو عار سمجھتے تھے۔ اس لیے اگر ایک دم چار ماہ دس روز کی عدت مقرر کی جاتی تو یہ ان پر بہت شاق ہوتی لہذا بتدریج انہیں راہ پر لایا گیا۔

مسئلہ نمبر۵۲: جس بستی میں وباء یا طاعون پھیل جائے وہاں سے فرار ممنوع ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

اَلَمۡ تَرَ اِلَى الَّذِيۡنَ خَرَجُوۡا مِنۡ دِيَارِهِمۡ وَهُمۡ اُلُوۡفٌ حَذَرَ الۡمَوۡتِ فَقَالَ لَهُمُ اللّٰهُ مُوۡتُوۡا ثُمَّ اَحۡيَاهُمۡ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَذُوۡ فَضۡلٍ عَلَى النَّاسِ وَلٰـكِنَّ اَكۡثَرَ النَّاسِ لَا يَشۡكُرُوۡنَ ﴿۲۴۳﴾

ترجمہ: اے محبوب کیا تم نے نہ دیکھا تھا انہیں جو اپنے گھروں سے نکلے اور وہ ہزاروں تھے موت کے ڈر سے تو اللہ نے ان سے فرمایا مرجاؤ پھر انہیں زندہ فرمادیا بیشک اللہ لوگوں پر فضل کرنے والا ہے مگر اکثر لوگ ناشکرے ہیں۔

قرآن مجید میں موت سے فرار کی ممانعت متعدّد آیات میں ہے اور یہ پہلی آیت ہے۔ مفسرین فرماتے ہیں کہ جب بنی اسرائیل کی ایک بستی میں طاعون کی وبا پھیلی تو کچھ لوگ موت کے خوف سے بستی چھوڑ کر جنگل کی طرف چلے گئے اور کچھ لوگ وہیں رکے رہے۔ اللہ کے حکم سے جتنے لوگ بستی میں رکے رہے وہ سب مرگئے۔ جو جنگل چلے گئے تھے انھیں یقین ہوگیا کہ ہم اپنی ترکیب کی وجہ سے موت سے بچ گئے۔ بہر حال وہ لوگ دوبارہ بستی میں آکر رہنے لگے۔ کچھ سالوں بعد پھر دوبارہ وباء پھیلی تو اس مرتبہ تمام لوگ جو ۸۰۰۰۰ سے زیادہ تعداد میں تھے، بستی چھوڑ کر جنگل چلے گئے تاکہ خود کو موت سے بچا سکیں۔ جب یہ لوگ جنگل پہنچ گئے تو

اللہ تعالیٰ نے سب سے کہا کہ مرجاؤ یا بعض روایتوں کے مطابق دو فرشتوں نے یہ بات کہی توسب لوگ اسی وقت مرگئے۔ قریب کے علاقے سے ایک لوگوں کی ایک جماعت آئی کہ انھیں دفن کردیں مگر مردوں کی کثیر تعداد کی وجہ سے وہ ایسا نہ کرسکے۔ ایک عرصہ اسی حال میں گذر گیا یہاںتک کہ ان کا خون وگوشت سب ختم ہوگیا۔ فضلِ خداوندی سے اللہ تعالیٰ کے نبی حضرت حزقیل بن سوریا علیہ السلام کا یہاں سے گذر ہوا۔ انھوں نے جب اتنی کثیر تعداد میں بوسیدہ ہڈیاں دیکھیں تواللہ کی بارگاہ میں عرض کی کہ اے اللہ ان پر نظرِ رحمت فرمااور انھیں زندہ کردے۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت حزقیل علیہ السلام کوبشارت دی کہ آپ فلاں کلمہ پڑھیں یہاں تک کہ یہ زندہ ہوجائیں۔ جب آپ علیہ السلام نے وہ کلمہ پڑھاتواللہ تعالیٰ نے سب کو زندہ کردیا تاکہ سب کو معلوم ہوجائے کہ اللہ کی تقدیر سے بھاگناممکن نہیں۔

اس آیتِ مبارکہ سے معلوم ہواکہ زندگی اور موت اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے۔ موت کا وقت مقرر ہے وہ ہر صورت میں آکر رہتی ہے۔ اسی لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس مقام سے نکلنے یافرار ہونے سے منع فرمایاجہاں وباء یاطاعون کا مرض پھیل چکاہوبلکہ ایک حدیث شریف میں ارشاد ہواکہ «اَلْفَارُّ مِنَ الطَّاعُونِ کَالْفَارِّ مِنَ الزَّحْفِ» یعنی طاعون کی جگہ سے فرار ہونے والا ایساہی کہ جیسامیدانِ جہاد سے فرار ہونے والا۔اور اس آیتِ طیبہ سے بھی یہی ثابت ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ ایسی جگہ جانے سے منع فرمایاگیاجہاں وباءیاطاعون پھیل چکاہواور اس کی دلیل اللہ تعالیٰ کافرمان: ﴿لاَ تُلْقُواْ بِأَيْدِيكُمْ إِلَى التَّهْلُكَةِ﴾ (یعنی خود کواپنے ہاتھوں ہلاکت میں نہ ڈالو) ہے۔

مسئلہ نمبر ۵۳: اللہ تعالیٰ تبرکات کی تعظیم اور ان سے وسیلہ کرنے کا ذکر فرماتا ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَ قَالَ لَهُمْ نَبِيُّهُمْ اِنَّ اٰيَةَ مُلْكِهٖۤ اَنْ يَّاْتِيَكُمُ التَّابُوْتُ فِيْهِ سَكِيْنَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَ بَقِيَّةٌ مِّمَّا تَرَكَ اٰلُ مُوْسٰى وَ اٰلُ هٰرُوْنَ تَحْمِلُهُ الْمَلٰٓىٕكَةُ ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿۲۴۸﴾

ترجمہ: اور ان سے ان کے نبی نے فرمایا اس کی بادشاہی کی نشانی یہ ہے کہ آئے تمھارے پاس تابوت جس میں تمھارے رب کی طرف سے دلوں کا چین ہے اور کچھ بچی ہوئی چیزیں معزز موسیٰ اور معزز ہارون کے ترکہ کی اٹھاتے لائیں گے اسے فرشتے۔ بیشک اس میں بڑی نشانی ہے تمھارے لیے اگر ایمان رکھتے ہو۔

صدرالافاضل اس آیتِ مبارکہ کے تحت فرماتے ہیں کہ: یہ تابوت شمشاد کی لکڑی کا ایک زر اندود صندوق تھا جس کا طول تین ہاتھ کا اور عرض دو ہاتھ کا تھا۔ اس کو اللہ تعالی نے حضرت آدم علیہ السلام پر نازل فرمایا تھا۔ اس میں تمام انبیاء علیہم السلام کی تصویریں تھیں، ان کے مساکن و مکانات کی تصویریں تھیں اور آخر میں حضور سید انبیاء صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اور حضور کی دولت سرائے اقدس کی تصویر ایک یاقوت سرخ میں تھی کہ حضور بحالت نماز قیام میں ہیں اور گرد آپ کے آپ کے اصحاب رضی اللہ عنہم ہیں۔ حضرت آدم علیہ السلام کے پاس یہ صندوق تھا۔ یہ صندوق وراثتاً منتقل ہوتا ہوا حضرت موسیٰ علیہ السلام تک پہنچا۔ آپ اس میں توریت بھی رکھتے تھے اور اپنا مخصوص سامان بھی، چنانچہ اس تابوت میں الواح توریت کے

ٹکڑے بھی تھے اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کا عصا اور آپ کے کپڑے اور آپ کی نعلین شریفین اور حضرت ہارون علیہ السلام کا عمامہ اور ان کا عصا اور تھوڑا سا مَن جو بنی اسرائیل پر نازل ہوتا تھا۔ حضرت موسی علیہ السلام جنگ کے موقعوں پر اس صندوق کو آگے رکھتے تھے اس سے بنی اسرائیل کے دلوں کو تسکین رہتی تھی آپ کے بعد یہ تابوت بنی اسرائیل میں متوارث ہوتا چلا آیا۔ جب انہیں کوئی مشکل درپیش ہوتی وہ اس تابوت کو سامنے رکھ کر دعائیں کرتے اور کامیاب ہوتے، دشمنوں کے مقابلہ میں اس کی برکت سے فتح پاتے۔ جب بنی اسرائیل کی حالت خراب ہوئی اور ان کی بدعملی بہت بڑھ گئی اور اللہ تعالیٰ نے ان پر عمالقہ کو مسلط کیا تو وہ ان سے تابوت چھین کر لے گئے۔ اور اس کو نجس اور گندے مقامات میں رکھا اور اس کی بے حرمتی کی اور ان گستاخیوں کی وجہ سے وہ طرح طرح کے امراض و مصائب میں مبتلا ہوئے ان کی پانچ بستیاں ہلاک ہوئیں۔ اور انہیں یقین ہوا کہ تابوت کی اہانت ان کی بربادی کا باعث ہے تو انہوں نے تابوت ایک بیل گاڑی پر رکھ کر بیلوں کو چھوڑ دیا اور فرشتے اس کو بنی اسرائل کے سامنے طالوت کے پاس لائے۔ اور اس تابوت کا آنا بنی اسرائیل کے لیے طالوت کی بادشاہی کی نشانی قرار دیا گیا تھا۔ بنی اسرائیل یہ دیکھ کر اس کی بادشاہی کے مقر ہوئے اور بے درنگ جہاد کے لیے آمادہ ہوگئے کیونکہ تابوت پا کر انہیں اپنی فتح کا یقین ہوگیا۔ طالوت نے بنی اسرائیل میں سے ستر ہزار جوان منتخب کئے جن میں حضرت داؤد علیہ السلام بھی تھے (جلالین و جمل و خازن و مدارک وغیرہ)۔

فائدہ: اس سے معلوم ہوا کہ بزرگوں کے تبرکات کا اعزاز و احترام لازم ہے ان کی برکت سے دعائیں قبول ہوتی اور حاجتیں روا ہوتی ہیں اور تبرکات کی بے حرمتی گمراہوں کا طریقہ اور بربادی کا سبب ہے۔

فائدہ: تابوت میں انبیاء کی جو تصویریں تھیں وہ کسی آدمی کی بنائی ہوئی نہ تھیں اللہ کی طرف سے آئی تھیں۔

مسئلہ نمبر ۵۴: دین میں زبردستی نہ کرنے کی حقیقت۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

لَآ اِكْرَاهَ فِي الدِّيْنِ ۙ قَدْ تَّبَيَّنَ الرُّشْدُ مِنَ الْغَيِّ ۚ فَمَنْ يَّكْفُرْ بِالطَّاغُوْتِ وَ يُؤْمِنْۢ بِاللّٰهِ فَقَدِ اسْتَمْسَكَ بِالْعُرْوَةِ الْوُثْقٰى ۗ لَا انْفِصَامَ لَهَا ؕ وَ اللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ﴿۲۵۶﴾

ترجمہ: کچھ زبردستی نہیں دین میں بے شک خوب جدا ہوگئی ہے نیک راہ گمراہی سے، تو جو شیطان کو نہ مانے اور اللہ پر ایمان لائے اس نے بڑی محکم گرہ تھامی جسے کبھی کھلنا نہیں اور اللہ سنتا جانتا ہے۔

سورۂ بقرہ کی ابتداء سے اب تک کی آیات میں حق وباطل کو خوب ظاہر کرکے بتادیا گیا تھا۔ لہٰذا اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ عاقل سمجھدار انسان کے لیے اسلام قبول کرنے کے سوا کوئی دوسرا راستہ نہیں کہ اب ہدایت صرف اور صرف محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی کی پیروی میں ہے اور اسلام کی راہ کے سوا دیگر تمام راہیں گمراہی و کفر ہیں۔ بعض پڑھے لکھے جاہلوں کو دیکھا گیا ہے کہ وہ اس آیت کا یہ معنیٰ بتاتے ہیں کہ معاذاللہ ہر شخص کو آزادی ہے کہ جو مذہب چاہے اختیار کرے یعنی اگر کوئی

مسلمان کافر ہونا چاہیے تو اس کو روکا نہیں جائے گا۔ (معاذاللہ ثم معاذاللہ) قرآن کی اِس آیت کا یہ معنی کرنا سراسر بے دینی وکفر اور جہالت ہے کیونکہ اِس آیت کا قرآن وحدیث کی روشنی میں درست معنٰی یہ ہے کہ کسی کو اسلام میں داخل ہونے پر مجبور نہیں کیا جائے۔ہاں البتہ جب کوئی دائرۂ اسلام میں داخل ہو گیا تو اب اسے اللہ عزوجل اور رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بیان کردہ احکام کے انکار کرنے کا اختیار نہیں رہا۔اور جو ایسا کرے وہ مرتد و بے دین ہے۔

مسئلہ نمبر ۵۵: احسان جتانے اور طعنہ زنی سے صدقات ضائع ہو جاتے ہیں۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تُبْطِلُوْا صَدَقٰتِكُمْ بِالْمَنِّ وَ الْاَذٰىۙ كَالَّذِیْ یُنْفِقُ مَالَهٗ رِئَآءَ النَّاسِ وَ لَا یُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَ الْیَوْمِ الْاٰخِرِؕ فَمَثَلُهٗ كَمَثَلِ صَفْوَانٍ عَلَیْهِ تُرَابٌ فَاَصَابَهٗ وَابِلٌ فَتَرَكَهٗ صَلْدًاؕ لَا یَقْدِرُوْنَ عَلٰى شَیْءٍ مِّمَّا كَسَبُوْاؕ وَ اللّٰهُ لَا یَهْدِی الْقَوْمَ الْكٰفِرِیْنَ ﴿۲۶۴﴾

ترجمہ: اے ایمان والو! اپنے صدقے باطل نہ کردو احسان رکھ کر اور ایذا دے کر، اس کی طرح جو اپنا مال لوگوں کے دکھاوے کے لیے خرچ کرے اور اللہ اور قیامت پر ایمان نہ لائے تو اس کی کہاوت ایسی ہے جیسے ایک چٹان کہ اس پر مٹی ہے اب اس پر زور کا پانی پڑا جس نے اسے نرا پتھر کر چھوڑا، اپنی کمائی سے کسی چیز پر قابو نہ پائیں گے اور اللہ کافروں کو راہ نہیں دیتا۔

اللہ تعالیٰ نے اہلِ ایمان کو نصیحت فرمائی کہ جس طرح منافق کو رضائے الٰہی مقصود نہیں ہوتی وہ اپنا مال ریاکاری کے لیے خرچ کرکے ضائع کر دیتا ہے اس طرح تم

احسان جتا کر اور ایذا دے کر اپنے صدقات کا اجر ضائع نہ کرو۔ اور اس سے پچھلی آیت میں فرمایا کہ وہ صدقہ جس کے بعد تم لوگوں کو تکلیف پہنچاؤ اس سے بہتر سائل کو اچھی بات کہہ کر ٹال دینا اور سائل کی بری بات معاف کر دینا ہے۔

مسئلہ نمبر ۵٦: مال تجارت کی زکوۃ اور عشر کی فرضیت اور زکوۃ میں ردی مال دینے کی مذمت۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْفِقُوْا مِنْ طَيِّبٰتِ مَا كَسَبْتُمْ وَ مِمَّآ اَخْرَجْنَا لَكُمْ مِّنَ الْاَرْضِ ۪ وَ لَا تَيَمَّمُوا الْخَبِيْثَ مِنْهُ تُنْفِقُوْنَ وَ لَسْتُمْ بِاٰخِذِيْهِ اِلَّآ اَنْ تُغْمِضُوْا فِيْهِ ؕ وَ اعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ غَنِيٌّ حَمِيْدٌ ﴿۲٦۷﴾

ترجمہ: اے ایمان والو! اپنی پاک کمائیوں میں سے کچھ دو اور اس میں سے جو ہم نے تمھارے لیے زمین سے نکالا اور خاص ناقص مال کا ارادہ نہ کرو کہ دو تو اس میں سے اور تمہیں ملے تو نہ لوگے جب تک اس میں چشم پوشی نہ کرو، اور جان رکھو کہ اللہ بے پرواہ سراہا گیا ہے۔

اس آیتِ مبارکہ سے مالِ تجارت پر زکوۃ کی فرضیت ثابت ہے۔ یعنی جب مالِ تجارت اتنی مالیت کا ہو کہ جو ساڑھے باون تولہ چاندی کی قیمت کو پہنچ جائے، اُس پر سال گذر جائے، دین سے فارغ ہو تو اس میں سے ڈھائی فیصد یعنی چالیسواں حصہ بطور زکوۃ ادا کرنا فرض ہو جاتا ہے۔ اسی طرح اسی آیت سے عشر اور معادن کے خمس کی فرضیت بھی ثابت ہے۔ عشر سے مراد کھیتی یا باغات سے جو بھی پیداوار ہو اس کا دس فیصد حصہ بطور زکوۃ دینا ہے سوائے چند چیزوں کے جن کے بارے کتبِ فقہ سے

جاناجاسکتا ہے۔اور اگر پانی خرید کر یا کنویں سے لے کر کھیت سیراب کیا جاتا ہو تو اس میں نصف عشر یعنی پانچ فیصد حصہ بطور زکوۃ ادا کیا جائے گا۔ معادن سے مراد لوہا، سیسہ، تانبہ وغیرہ کی کان مراد ہے۔کان میں خمس اُس وقت واجب ہے جب وہ کسی کی ذاتی ملکیت نہ ہو۔ نیز آیتِ طیبہ کے الفاظ واضح لفظوں میں اعلان کر رہے ہیں کہ زکوۃ وعشر و خمس میں ردی اشیاء نہ دی جائیں بلکہ اعلیٰ یا درمیانہ درجہ کی ہونی چاہیے۔

مسئلہ نمبر ۵۷: دین کی خدمت کرنے والے سب سے بڑھ کر صدقات کے مستحق ہیں۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

لِلْفُقَرَآءِ الَّذِيْنَ اُحْصِرُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ لَا يَسْتَطِيْعُوْنَ ضَرْبًا فِي الْاَرْضِ يَحْسَبُهُمُ الْجَاهِلُ اَغْنِيَآءَ مِنَ التَّعَفُّفِ تَعْرِفُهُمْ بِسِيْمٰهُمْ لَا يَسْـَٔلُوْنَ النَّاسَ اِلْحَافًا وَمَا تُنْفِقُوْا مِنْ خَيْرٍ فَاِنَّ اللّٰهَ بِهٖ عَلِيْمٌ ﴿۲۷۳﴾

ترجمہ: ان فقیروں کے لیے (صدقات ہیں) جو راہ خدا میں روکے گئے، زمین میں چل نہیں سکتے، نادان انہیں تونگر سمجھے بچنے کے سبب، تو انہیں ان کی صورت سے پہچان لے گا، لوگوں سے سوال نہیں کرتے کہ گڑگڑانا پڑے اور تم جو خیرات کرو اللہ اسے جانتا ہے۔

مفسرینِ کرام فرماتے ہیں کہ اس آیتِ مبارکہ میں جن لوگوں کے بارے فرمایا گیا وہ لوگ اسلام کے مبلغین ہیں جو دینی مصروفیات کی وجہ سے مساجد و مدارس اور دیگر اہم دینی کاموں کو چھوڑ کر کمانے کے لیے نہیں نکل پاتے اور غربت کے باوجود حیاء کے مارے سوال بھی نہیں کرتے جس طرح کہ عام لوگ زکوۃ اور دیگر صدقات

جمع کرنے کے لیے سوال کرتے ہیں۔ لہٰذا مسلمانوں کو چاہیے کہ ایسے لوگوں کا خاص خیال رکھیں اور ان کی مدد کریں۔

مسئلہ نمبر ۵۸: سود کی حرمت، تعریف اور عذاب کا بیان۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

اَلَّذِيْنَ يَاْكُلُوْنَ الرِّبٰوا لَا يَقُوْمُوْنَ اِلَّا كَمَا يَقُوْمُ الَّذِيْ يَتَخَبَّطُهُ الشَّيْطٰنُ مِنَ الْمَسِّ ۭ ذٰلِكَ بِاَنَّھُمْ قَالُوْٓا اِنَّمَا الْبَيْعُ مِثْلُ الرِّبٰوا ۘ وَاَحَلَّ اللّٰهُ الْبَيْعَ وَحَرَّمَ الرِّبٰوا ۭ فَمَنْ جَاۗءَهٗ مَوْعِظَةٌ مِّنْ رَّبِّهٖ فَانْتَهٰى فَلَهٗ مَا سَلَفَ ۭ وَاَمْرُهٗٓ اِلَى اللّٰهِ ۭ وَمَنْ عَادَ فَاُولٰۗىِٕكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ ھُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿۲۷۵﴾

ترجمہ: وہ جو سُود کھاتے ہیں قیامت کے دن نہ کھڑے ہوں گے مگر جیسے کھڑا ہوتا ہے وہ جسے آسیب نے چھو کر مخبوط (پاگل) بنادیا ہو۔ یہ اس لیے کہ انہوں نے کہا بیع (خرید و فروخت) بھی تو سُود ہی کے مانند ہے۔ اور اللہ نے حلال کیا بیع (خرید و فروخت) کو اور حرام کیا سُود۔ تو جسے اس کے رب کے پاس سے نصیحت آئی اور وہ باز رہا تو اسے حلال ہے جو پہلے لے چکا۔ اور اس کا کام خدا کے سپرد ہے۔ اور جو اب ایسی حرکت کرے گا وہ دوزخی ہے وہ اس میں مدتوں رہیں گے۔

اس آیتِ طیبہ میں اللہ تعالیٰ نے سود کی حرمت، سود کھانے کا عذاب وذلت، سود خوروں کی دلیل اور ان کا رد بیان فرمایا ہے۔ فی زمانہ سود کی لعنت اتنی عام ہوگئی ہے کہ لوگ سودی کام کرنے کو گناہ وعار نہیں جانتے اور نہایت ہی ڈھٹائی کے ساتھ اس کام میں لگے ہوئے ہیں۔ کہیں اسے پرافٹ، کہیں انٹرسٹ اور کہیں کسی

اور نام سے موسوم کرتے ہیں۔ آج دنیا پر سود کی تباہ کاریاں پوشیدہ نہیں ہیں کہ دورِ حاضر میں دنیا کے کئی ترقی یافتہ ممالک کی معیشت اور سودی بینکاری نظام زمین بوس ہو چکا ہے اور اسے مصنوعی طریقے سے سہارا دینے کی کوششوں کے باوجود کئی بینک بند کرنے پڑے ہیں۔ جس حقیقت کو ترقی یافتہ کہلانے والے آج سمجھے ہیں، الحمدللہ اسلام نے اپنے ماننے والوں کو اس حقیقت سے ۱۵۰۰ سو سال قبل ہی آگاہ کر دیا تھا۔ بہر حال یہاں تعارفاً سود کی حقیقت ذکر کی جاتی ہے۔ عربی زبان میں سود کے لیے لفظ "الرِبَا" اور "الرِبٰو" استعمال کیا جاتا ہے۔ اس کا لغوی معنٰی بڑھوتری، اضافہ، زیادتی (excess) ہے۔ اصطلاحِ شریعت میں اس کی تعریف درج ذیل الفاظ میں کی جاتی:

"فضل خال عن عوض شرط لأحد المتعاقدين في معاوضة المال بالمال".

ترجمہ: سود نام ہے ایسے بلا عوض اضافہ کا جو عاقدین میں سے کسی ایک کے لیے مشروط کر دیا گیا ہو ایسے عقد میں کہ جس میں مال کا تبادلہ مال سے ہو۔

سود کی دو اقسام ہیں۔ ایک ربا القرآن کہلاتا ہے یعنی جو قرآن سے ثابت ہے، مثلاً کسی کو ۱۰۰۰ روپے ادھار دیئے اور واپسی میں کچھ زیادہ مثلاً ۱۰۱۰ روپے مقرر کر لیے۔ دوسری قسم ربا الحدیث ہے جو حدیث شریف سے ثابت ہے۔ صحیح مسلم میں حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا «سونے کو سونے کے بدلے، اور چاندی کو چاندی کے بدلے، اور گیہوں کو گیہوں کے بدلے، اور جو کو جو کے بدلے، کھجور کو کھجور کے بدلے، اور نمک کو نمک

کے بدلے میں فروخت کرو تو نقداً نقد اور برابر برابر فروخت کرو۔ اور جب اجناس میں تبدیلی ہو تو جیسے چاہو بیچو جبکہ نقداً نقد ہو (یعنی کمی و بیشی میں اختیار ہے مگر ادھار پھر بھی ناجائز ہے)»۔ مثال کے طور پر اگر ہم دس تولہ سونا سونے ہی کے بدلے میں فروخت کرنا چاہیں تو یہ دو شروطوں کے پائے جانے پر جائز ہوگا۔ (۱) ۱۰ تولہ سونے کے بدلے ۱۰ تولہ سونا ہی لیا جائے گا اور اس میں سونے کی کوالٹی کا اعتبار نہیں ہوگا۔(۲) یہ معاملہ نقد ہو یعنی اِس ہاتھ لے اور اُس ہاتھ دے، ادھار کی اجازت نہیں۔ ان دو شرائط میں کسی ایک شرط کی کمی بھی اس عقد کو سودی کردے گی۔ اور اجناس کی تبدیلی کی مثال یہ کہ ۱۰ تولہ سونے کی فروخت چاندی کے بدلے میں کی جائے تو چاندی کی مقدار کی کوئی حد نہیں یعنی ۱۰ تولہ یا ۵۰ تولہ چاندی کے بدلے میں بھی جائز ہے اور ۱۰۰ تولہ چاندی کے بدلے میں بھی، مگر ادھار اس صورت میں بھی جائز نہیں۔

حضرت صدرالافاضل سید نعیم الدین مرادآبادی رحمۃ اللہ علیہ اسی آیتِ طیبہ کی تفسیر میں سود کی حرمت کی وجہ بیان فرماتے ہوئے خزائن العرفان میں لکھتے ہیں:

"اس آیت میں سود کی حرمت اور سود خواروں کی شامت کا بیان ہے سود کو حرام فرمانے میں بہت حکمتیں ہیں۔ بعض ان میں سے یہ ہیں کہ سود میں جو زیادتی لی جاتی ہے وہ معاوضہ مالیہ میں ایک مقدار مال کا بغیر بدل و عوض کے لینا ہے یہ صریح ناانصافی ہے۔ دوم: سود کا رواج تجارتوں کو خراب کرتا ہے کہ سود خوار کو بے محنت مال کا حاصل ہونا تجارت کی مشقتوں اور خطروں سے کہیں زیادہ آسان معلوم ہوتا ہے اور تجارتوں کی کمی انسانی معاشرت کو ضرر پہنچاتی ہے۔ سوم: سود کے رواج سے باہمی مودت کے سلوک کو نقصان پہنچتا ہے کہ جب آدمی سود کا عادی ہوا تو وہ کسی کو قرضِ

حسن سے امداد پہنچانا گوارا نہیں کرتا۔ چہارم: سود سے انسان کی طبیعت میں درندوں سے زیادہ بے رحمی پیدا ہوتی ہے اور سود خوار اپنے مدیون کی تباہی و بربادی کا خواہش مند رہتا ہے۔ اس کے علاوہ بھی سود میں اور بڑے بڑے نقصان ہیں اور شریعت کی ممانعت عین حکمت ہے۔ مسلم شریف کی حدیث میں ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سود خوار اور اس کے کار پرداز اور سودی دستاویز کے کاتب اور اس کے گواہوں پر لعنت کی اور فرمایا وہ سب گناہ میں برابر ہیں"۔

آیتِ طیبہ میں ارشاد ہوا کہ سود خور مخبوط الحواس ہوگا اس کا معنٰی یہ ہیں کہ جس طرح آسیب زدہ سیدھا کھڑا نہیں ہو سکتا گرتا پڑتا چلتا ہے، قیامت کے روز سود خوار کا ایسا ہی حال ہوگا کہ سود سے اس کا پیٹ بہت بھاری اور بوجھل ہو جائے گا اور وہ اس کے بوجھ سے گر گر پڑے گا۔ سعید بن جبیر رضِی اللہ تعالی عنہ نے فرمایا کہ یہ علامت اس سود خور کی ہے جو سود کو حلال جانے۔

مسئلہ: جو سود کو حلال جانے وہ کافر ہے ہمیشہ جہنم میں رہے گا کیونکہ ہر ایک حرام قطعی کا حلال جاننے والا کافر ہے۔

مسئلہ نمبر ۵۹: اللہ سود کو مٹاتا ہے اور صدقہ کو بڑھاتا ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

يَمْحَقُ اللّٰهُ الرِّبٰوا وَيُرْبِي الصَّدَقٰتِ ؕ وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ كُلَّ كَفَّارٍ اَثِيْمٍ ﴿۲۷۶﴾

ترجمہ: اللہ ہلاک کرتا ہے سُود کو اور بڑھاتا ہے خیرات کو۔ اور اللہ کو پسند نہیں آتا کوئی ناشکرا بڑا گنہگار۔

سود کو ہلاک کرنے یا مٹانے سے مراد یہ ہے کہ اس کا انجامِ کار نقصان ہوتا ہے جیساکہ دنیا نے دیکھا کہ بڑے بڑے ترقی یافتہ ممالک کی معیشت سودی نظام کی وجہ سے زمین بوس ہوگئی۔ اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے ہے کہ جو سودی کاروبار کرتا ہے اللہ تعالیٰ نہ اس کا صدقہ قبول کرتا ہے، نہ حج، نہ جہاد اور نہ صلہ۔ صدقات کو بڑھانے سے مراد یہ ہے کہ اللہ اس کو زیادہ کرتا ہے، اس میں برکت دیتاہے اور دنیا وآخرت میں اس کا ثواب بڑھادیتاہے بلکہ مفہومِ حدیث ہے کہ سرکارِدو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایاکہ: «میں اس بات پر قسم کھاسکتاہوں کہ صدقہ دینے سے مال کم نہیں بلکہ زیادہ ہوتا ہے»۔ خیال رہے کہ قرض دینابھی صدقہ ہی کی صورت ہے، لہذا بغیر سود قرض دینے والے کے مال میں بھی برکت اور اضافہ ہوتا ہے۔

مسئلہ نمبر ۶۰: سود کے ذریعے خداتعالیٰ سے اعلان جنگ کرنے اور تنگدست کو مہلت دینے کا بیان۔

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَ ذَرُوْا مَا بَقِيَ مِنَ الرِّبٰٓوا اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿۲۷۸﴾ فَاِنْ لَّمْ تَفْعَلُوْا فَاْذَنُوْا بِحَرْبٍ مِّنَ اللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ ۚ وَ اِنْ تُبْتُمْ فَلَكُمْ رُءُوْسُ اَمْوَالِكُمْ ۚ لَا تَظْلِمُوْنَ وَ لَا تُظْلَمُوْنَ ﴿۲۷۹﴾ وَ اِنْ كَانَ ذُوْ عُسْرَةٍ فَنَظِرَةٌ اِلٰى مَيْسَرَةٍ ؕ وَ اَنْ تَصَدَّقُوْا خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿۲۸۰﴾

ترجمہ: اے ایمان والو اللہ سے ڈرو اور چھوڑ دو جو باقی رہ گیا ہے سود اگر مسلمان ہو۔ پھر اگر ایسا نہ کرو تو یقین کر لو اللہ اور اللہ کے رسول سے لڑائی کا۔ اور اگر تم توبہ کرو تو اپنا اصل مال لے لو نہ تم کسی کو نقصان پہنچاؤ نہ تمہیں نقصان ہو۔ اور اگر قرضدار تنگی والا ہے تو اسے مہلت دو آسانی تک اور قرض اس پر بالکل چھوڑ دینا تمھارے لیے اور بھلا ہے اگر جانو۔

مذکورہ بالا آیات میں سے پہلی آیت اُن اصحاب کے حق میں نازل ہوئی جو کہ سود کی حرمت نازل ہونے سے قبل سودی لین کرتے تھے اور بھاری سودی رقمیں دوسرے لوگوں کے ذمے تھی۔ اس آیت میں حکم دیا گیا ہے کہ اب سابقہ سودی مطالبہ بھی ترک کر دو اور پہلے کا مقرر کیا ہوا سود بھی اب جائز نہیں۔ پھر دوسری آیتِ طیبہ میں اللہ تعالیٰ نے نہایت شدت و مبالغہ کے ساتھ سودی لین دین کا رد فرمایا اور اسے خدا تعالیٰ اور رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اعلان جنگ شمار فرمایا۔ بہرحال صحابہ کرام رضی اللہ عنہم فوراً تائب ہوئے اور کہا کہ خدا تعالیٰ اور رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے لڑائی کی ہم میں ہمت نہیں۔ اسی آیت میں اجازت عطا فرمائی کہ ہاں تم لوگ اپنا اصل مال یعنی رأس المال لے سکتے ہو۔ پھر تیسری آیت میں تنگدست کو مہلت دینے کا حکم ارشاد فرمایا۔ بلاشبہ تنگدست کو مہلت دینا یا اس کا کل قرض یا تھوڑا معاف کر دینا اجرِ عظیم کا باعث ہے۔ مسلم شریف کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ: «جس نے تنگدست کو مہلت دی یا اس کا قرضہ معاف کر دیا اللہ تعالیٰ اسے اپنا سایہ رحمت عطا فرمائے گا، جس روز اس کے سایہ کے سوا کوئی سایہ نہ ہو گا»۔

مسئلہ نمبر ٦١: قرض، بیع سلم اور ادھار لین دین کے لکھنے اور اس معاملہ پر گواہ بنانے کا استحباب۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا تَدَايَنْتُمْ بِدَيْنٍ اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى فَاكْتُبُوْهُ ؕ وَلْيَكْتُبْ بَّيْنَكُمْ كَاتِبٌۢ بِالْعَدْلِ ۪ وَلَا يَاْبَ كَاتِبٌ اَنْ يَّكْتُبَ كَمَا عَلَّمَهُ اللّٰهُ فَلْيَكْتُبْ ۚ وَلْيُمْلِلِ الَّذِىْ عَلَيْهِ الْحَقُّ وَلْيَتَّقِ اللّٰهَ رَبَّهٗ وَلَا يَبْخَسْ مِنْهُ شَيْـًٔا ؕ فَاِنْ كَانَ الَّذِىْ عَلَيْهِ الْحَقُّ سَفِيْهًا اَوْ ضَعِيْفًا اَوْ لَا يَسْتَطِيْعُ اَنْ يُّمِلَّ هُوَ فَلْيُمْلِلْ وَلِيُّهٗ بِالْعَدْلِ ؕ وَاسْتَشْهِدُوْا شَهِيْدَيْنِ مِنْ رِّجَالِكُمْ ۚ فَاِنْ لَّمْ يَكُوْنَا رَجُلَيْنِ فَرَجُلٌ وَّامْرَاَتٰنِ مِمَّنْ تَرْضَوْنَ مِنَ الشُّهَدَآءِ اَنْ تَضِلَّ اِحْدٰىهُمَا فَتُذَكِّرَ اِحْدٰىهُمَا الْاُخْرٰى ؕ وَلَا يَاْبَ الشُّهَدَآءُ اِذَا مَا دُعُوْا ؕ وَلَا تَسْـَٔمُوْٓا اَنْ تَكْتُبُوْهُ صَغِيْرًا اَوْ كَبِيْرًا اِلٰٓى اَجَلِهٖ ؕ ذٰلِكُمْ اَقْسَطُ عِنْدَ اللّٰهِ وَاَقْوَمُ لِلشَّهَادَةِ وَاَدْنٰٓى اَلَّا تَرْتَابُوْٓا اِلَّآ اَنْ تَكُوْنَ تِجَارَةً حَاضِرَةً تُدِيْرُوْنَهَا بَيْنَكُمْ فَلَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ اَلَّا تَكْتُبُوْهَا ؕ وَاَشْهِدُوْٓا اِذَا تَبَايَعْتُمْ ۪ وَلَا يُضَآرَّ كَاتِبٌ وَّلَا شَهِيْدٌ ؕ۬ وَاِنْ تَفْعَلُوْا فَاِنَّهٗ فُسُوْقٌۢ بِكُمْ ؕ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ؕ وَيُعَلِّمُكُمُ اللّٰهُ ؕ وَاللّٰهُ بِكُلِّ شَىْءٍ عَلِيْمٌ ﴿٢٨٢﴾

ترجمہ: اے ایمان والو! جب تم ایک مقرر مدت تک کسی دین (قرض اور ادھار سودا) کا لین دین کرو تو اسے لکھ لو، اور چاہئے کہ تمھارے درمیان کوئی لکھنے والا ٹھیک ٹھیک لکھے، اور لکھنے والا لکھنے سے انکار نہ کرے جیسا کہ اسے اللہ نے سکھایا

ہے تو اسے لکھ دینا چاہیئے اور جس بات پر حق آتا ہے وہ لکھتا جائے اور اللہ سے ڈرے جو اس کا رب ہے اور حق میں سے کچھ رکھ نہ چھوڑے، پھر جس پر حق آتا ہے اگر بے عقل یا ناتواں ہو یا لکھا نہ سکے تو اس کا ولی انصاف سے لکھائے۔ اور دو گواہ کرلو اپنے مردوں میں سے پھر اگر دو مرد نہ ہوں تو ایک مرد اور دو عورتیں۔ ایسے گواہ جن کو پسند کرو کہ کہیں ان میں ایک عورت بھولے تو اس ایک کو دوسری یاد دلادے، اور گواہ جب بلائے جائیں تو آنے سے انکار نہ کریں، اور اسے بھاری نہ جانو کہ دین (قرض یا ادھار) چھوٹا ہو یا بڑا اس کی میعاد تک لکھت کرلو یہ اللہ کے نزدیک زیادہ انصاف کی بات ہے، اور اس میں گواہی خوب ٹھیک رہے گی اور یہ اس سے قریب ہے کہ تمہیں شبہہ نہ پڑے مگر یہ کہ کوئی فوری سودا نقد ہو تو اس کے نہ لکھنے کا تم پر گناہ نہیں، اور جب خرید و فروخت کرو تو گواہ کرلو، اور نہ کسی لکھنے والے کو ضرر دیا جائے نہ گواہ کو (یا نہ لکھنے والا ضرر دے نہ گواہ)، اور جو ایسا کرو تو یہ تمھارا فسق ہوگا اور اللہ سے ڈرو اور اللہ تمہیں سکھاتا ہے اور اللہ سب کچھ جانتا ہے۔

یہ قرآنِ مجید کی سب سے طویل آیت ہے جسے آیت مداینہ کہتے ہیں۔ اس میں اللہ تعالیٰ نے قرض لینے دینے، ادھار اور نقد خرید وفروخت کے آداب تعلیم فرمائے ہیں۔ خلاصہ یہ ہے کہ جب بھی قرض کا لین دین ہو یا ادھار یا نقد خرید وفروخت کا معاملہ ہو تو مستحب ہے کہ اسے کسی قابلِ بھروسہ ایمان دار مسلمان سے لکھوا لیا جائے اور اس پر گواہ بھی کر لیے جائیں۔ لکھنے والے کو حکم دیا گیا کہ وہ لکھنے سے انکار نہ کرے۔ اس حوالے سے صدر الافاضل سید نعیم الدین مرادآبادی رحمۃ اللہ علیہ ارشاد فرماتے ہیں کہ: "حاصلِ معنیٰ یہ کہ کوئی کاتب لکھنے سے منع نہ کرے جیسا

کہ اللہ تعالیٰ نے اس کو وثیقہ نویسی کا علم دیا بے تغییر و تبدیل دیانت و امانت کے ساتھ لکھے یہ کتابت ایک قول پر فرضِ کفایہ ہے اور ایک قول پر فرضِ عین بشرطِ فراغ کاتب (یعنی کاتب کے فارغ ہونے کی صورت میں) جس صورت میں اس کے سوا اور نہ پایا جائے اور ایک قول پر مستحب کیونکہ اس میں مسلمانوں کی حاجت برآری اور نعمتِ علم کا شکر ہے اور ایک قول یہ ہے کہ پہلے یہ کتابت فرض تھی پھر ﴿لَا یُضَآرَّ کَاتِبٌ﴾ سے منسوخ ہوئی"۔

گواہی سے متعلق صدرالافاضل رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

مسئلہ: تنہا عورتوں کی شہادت جائز نہیں خواہ وہ چار کیوں نہ ہوں مگر جن امور پر مرد مطلع نہیں ہوسکتے جیسے کہ بچہ جننا، باکرہ ہونا اور نسائی عیوب اس میں ایک عورت کی شہادت بھی مقبول ہے۔ مسئلہ: حدود و قصاص میں عورتوں کی شہادت بالکل معتبر نہیں صرف مردوں کی شہادت ضروری ہے اس کے سوا اور معاملات میں ایک مرد اور دو عورتوں کی شہادت بھی مقبول ہے۔ (مدارک واحمدی)

مسئلہ: اس آیت سے معلوم ہوا کہ ادائے شہادت فرض ہے جب مدعی گواہوں کو طلب کرے تو انہیں گواہی کا چھپانا جائز نہیں یہ حکم حدود کے سوا اور امور میں ہے لیکن حدود میں گواہ کو اظہار و اخفاء کا اختیار ہے بلکہ اخفاء افضل ہے۔ حدیث شریف میں ہے سیّد عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: «جو مسلمان کی پردہ پوشی کرے اللہ تبارک و تعالیٰ دنیا و آخرت میں اس کی ستّاری کرے گا» لیکن چوری میں مال لینے کی شہادت دینا واجب ہے تاکہ جس کا مال چوری کیا گیا ہے اس کا حق تلف نہ

ہو، گواہ اتنی احتیاط کر سکتا ہے کہ چوری کا لفظ نہ کہے، گواہی میں یہ کہنے پر اکتفا کرے کہ یہ مال فلاں شخص نے لیا۔

مسئلہ نمبر ۶۲: رہن کا بیان۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَ اِنۡ کُنۡتُمۡ عَلٰی سَفَرٍ وَّ لَمۡ تَجِدُوۡا کَاتِبًا فَرِہٰنٌ مَّقۡبُوۡضَۃٌ ؕ فَاِنۡ اَمِنَ بَعۡضُکُمۡ بَعۡضًا فَلۡیُؤَدِّ الَّذِی اؤۡتُمِنَ اَمَانَتَہٗ وَلۡیَتَّقِ اللّٰہَ رَبَّہٗ ؕ وَ لَا تَکۡتُمُوا الشَّہَادَۃَ ؕ وَ مَنۡ یَّکۡتُمۡہَا فَاِنَّہٗۤ اٰثِمٌ قَلۡبُہٗ ؕ وَ اللّٰہُ بِمَا تَعۡمَلُوۡنَ عَلِیۡمٌ ﴿۲۸۳﴾

ترجمہ: اور اگر تم سفر میں ہو اور لکھنے والا نہ پاؤ تو گرو (رہن) ہو قبضہ دیا ہوا۔ اور اگر تم میں ایک کو دوسرے پر اطمینان ہو تو وہ جسے اس نے امین سمجھا تھا اپنی امانت ادا کردے اور اللہ سے ڈرے جو اُس کا رب ہے۔ اور گواہی نہ چھپاؤ اور جو گواہی چھپائے گا تو اندر سے اس کا دل گنہگار ہے، اور اللہ تمھارے کاموں کو جانتا ہے۔

جیسا کہ گذشتہ آیت میں ذکر کیا گیا کہ قرض یا ادھار لین دین کو لکھوانا مستحب کام ہے اسی طرح سفر میں بھی یہ مستحب ہے۔ ہاں اگر کاتب نہ ملے تو رہن رکھوانا مستحب ہے، حالتِ سفر میں رہن آیت سے ثابت ہوا اور غیر سفر کی حالت میں حدیث سے ثابت ہے۔ چنانچہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مدینہ طیبہ میں اپنی زرہ مبارک یہودی کے پاس گروی رکھ کر بیس صاع جَو لیے۔ گواہوں کو خصوصی تاکید فرمائی گئی ہے کہ وہ جب شہادت دینے کے لیے طلب کئے جائیں تو حق کو نہ چھپائیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے ایک حدیث مروی ہے کہ کبیرہ

گناہوں میں سب سے بڑا گناہ اللہ کے ساتھ شریک کرنا اور جھوٹی گواہی دینا اور گواہی کو چھپانا ہے۔

مسئلہ نمبر ۶۳: وہ کون سا خیال ہے کہ جس پر اللہ تعالیٰ پکڑ فرمائے گا؟

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ؕ وَاِنْ تُبْدُوْا مَا فِيْٓ اَنْفُسِكُمْ اَوْ تُخْفُوْهُ يُحَاسِبْكُمْ بِهِ اللّٰهُ ؕ فَيَغْفِرُ لِمَنْ يَّشَآءُ وَيُعَذِّبُ مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۲۸۴﴾

ترجمہ: اللہ ہی کا ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے اور اگر تم ظاہر کرو جو کچھ تمھارے جی میں ہے یا چھپاؤ اللہ تم سے اس کا حساب لے گا تو جسے چاہے گا بخشے گا اور جسے چاہے گا سزا دے گا اور اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔

انسان کے دل میں برائی کرنے یا نہ کرنے کے حوالے سے جو خیالات آتے ہیں ان کے پانچ درجے ہیں۔ (۱) **الھاجس:** یہ پہلا درجہ ہے۔ اس سے مراد سب سے پہلا خیال ہے۔ (۲) **الخاطر:** یہ دوسرا درجہ ہے۔ جب وہ خیال دل میں جاری ہوجائے۔ (۳) **حدیث نفس:** یہ تیسرا درجہ ہے۔ جب اس خیال کے کرنے یا نہ کرنے کے متعلق انسان تردد میں پڑ جائے۔ (۴) **الھم:** یہ چوتھا درجہ ہے۔ جب انسان اس کام کے کرنے کو ترجیح دے چکے۔ (۵) **العزم:** یہ پانچواں درجہ ہے۔ جب انسان اس کام کو کرنے کا پختہ ارادہ کرلے۔

ھاجس پر انسان کی پکڑ نہیں کہ یہ انسان کے اختیار میں نہیں ہوتا۔ **خاطر** اور **حدیث نفس** کی معافی حدیث شریف میں آئی ہے۔ بخاری و مسلم کی حدیث ہے سیّدِ عالم

صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ: «میری امت کے دلوں میں جو وسوسہ گزرتے ہیں اللہ تعالیٰ ان سے تجاوز فرماتا ہے جب تک کہ وہ انہیں عمل میں نہ لائیں یا ان کے ساتھ کلام نہ کریں»۔ جہاں تک الھم کا معاملہ ہے تو اچھائی کے "الھم" پر ایک نیکی لکھی جاتی ہے۔ اور برائی کے "الھم" پر گناہ نہیں لکھا جاتا۔ حدیث قدسی ہے کہ "جب میرا بندہ گناہ کا "ھم" کرے تو گناہ نہ لکھو جب تک گناہ نہ کرلے۔ اور جب گناہ کرلے تو صرف ایک گناہ لکھو۔ اور جب نیکی کا "ھم" کرے تو ایک نیکی لکھ لو اگرچہ اس نے ابھی عمل نہیں کیا۔ اور اگر اس بھلے کام کو کرلے تو دس نیکیاں لکھو۔ ہاں عزم پر انسان کی پکڑ ہے۔ مگر گناہ کے عزم پر صرف گناہ کے عزم کی بدی نامہ اعمال میں لکھی جائے گی نہ کہ گناہ کے فعل کی، مثلاً کسی نے چوری کا پکا ارادہ کیا مگر موقع نہ ملنے کی وجہ سے چوری نہ کرسکا اور اس کے بعد توبہ بھی نہ کی تو اسے چوری کے عزم کا گناہ ہوگا نہ کہ چوری کے ارتکاب کا۔ اور اس آیت میں اسی بات کا ذکر کیا گیا ہے۔

صدرالافاضل سید نعیم الدین مرادآبادی رحمۃ اللہ علیہ تفسیر خزائن العرفان میں فرماتے ہیں: "دوسرے وہ خیالات جن کو انسان اپنے دل میں جگہ دیتا ہے اور ان کو عمل میں لانے کا قصد و ارادہ کرتا ہے ان پر مؤاخذہ ہوگا اور انہیں کا بیان اس آیت میں ہے۔ مسئلہ: کُفر کا عزم کرنا کُفر ہے اور گناہ کا عزم کرکے اگر آدمی اس پر ثابت رہے اور اس کا قصد و ارادہ رکھے لیکن اس گناہ کو عمل میں لانے کے اسباب اس کو بہم نہ پہنچیں اور مجبوراً وہ اس کو کر نہ سکے تو جمہور کے نزدیک اس سے مؤاخذہ کیا جائے گا۔ شیخ ابو منصور ماتریدی اور شمس الائمہ حلوائی اسی طرف گئے ہیں اور ان کی دلیل آیہ: ﴿إِنَّ الَّذِينَ يُحِبُّونَ أَن تَشِيعَ الْفَاحِشَةُ﴾ (اور جو چاہتے ہیں کہ بے حیائی

پھیل جائے) اور حدیثِ حضرت عائشہ ہے جس کا مضمون یہ ہے کہ: بندہ جس گناہ کا قصد کرتا ہے اگر وہ عمل میں نہ آئے جب بھی اس پر عقاب کیا جاتا ہے۔ مسئلہ: اگر بندے نے کسی گناہ کا ارادہ کیا پھر اس پر نادم ہوا اور استغفار کیا تو اللہ اس کو معاف فرمائے گا"۔

مسئلہ نمبر ۶۴: ضروریات ایمان کے چار درجے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

اٰمَنَ الرَّسُوْلُ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَیْهِ مِنْ رَّبِّهٖ وَ الْمُؤْمِنُوْنَ ؕ كُلٌّ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَ مَلٰٓئِكَتِهٖ وَ كُتُبِهٖ وَ رُسُلِهٖ ۟ لَا نُفَرِّقُ بَیْنَ اَحَدٍ مِّنْ رُّسُلِهٖ ۟ وَ قَالُوْا سَمِعْنَا وَ اَطَعْنَا ۗ غُفْرَانَكَ رَبَّنَا وَ اِلَیْكَ الْمَصِیْرُ (۲۸۵)

ترجمہ: رسول ایمان لایا اس پر جو اسکے رب کے پاس سے اس پر اُترا اور ایمان والے، سب نے مانا اللہ اور اس کے فرشتوں اور اس کی کتابوں اور اس کے رسولوں کو، یہ کہتے ہوئے کہ ہم اس کے کسی رسول پر ایمان لانے میں فرق نہیں کرتے، اور عرض کی کہ ہم نے سنا اور مانا، تیری معافی ہو اے ہمارے رب اور تیری ہی طرف لوٹ کر آنا ہے۔

یہ اصول و ضروریاتِ ایمان کے چار مرتبے ہیں۔ (۱) اللہ تعالی پر ایمان لانا یہ اسطرح کہ اعتقاد و تصدیق کرے کہ اللہ واحد اَحدٌ ہے اسکا کوئی شریک و نظیر نہیں۔ اس کے تمام اسمائے حسنہ و صفاتِ عُلیا پر ایمان لائے اور یقین کرے اور مانے کہ وہ علیم اور ہر شئے پر قدیر ہے اور اس کے علم و قدرت سے کوئی چیز باہر نہیں۔ (۲) ملائکہ پر ایمان لانا یہ اس طرح پر ہے کہ یقین کرے اور مانے کہ وہ موجود ہیں معصوم ہیں

پاک ہیں اللہ تعالی کے اور اس کے رسولوں کے درمیان احکام و پیام کے وسائط ہیں۔(۳) اللہ کی کتابوں پر ایمان لانا اس طرح کہ جو کتابیں اللہ تعالی نے نازل فرمائیں اور اپنے رسولوں کے پاس بطریق وحی بھیجیں بے شک وشبہہ سب حق وصدق اور اللہ کی طرف سے ہیں اور قرآن کریم تغییر وتبدیل تحریف سے محفوظ ہے اور محکم ومتشابہ پر مشتمل ہے۔(۴) رسولوں پر ایمان لانا اسطرح پر کہ ایمان لائے کہ وہ اللہ کے رسول ہیں جنہیں اُسنے اپنے بندوں کی طرف بھیجا اسکی وحی کے امین ہیں گناہوں سے پاک معصوم ہیں ساری خلق سے افضل ہیں ان میں بعض حضرات بعض سے افضل ہیں۔

مسئلہ نمبر ۶۵: اللہ کسی جان کو اس کی طاقت سے بڑھ کر تکلیف نہیں دیتا اور ہر جان کو اپنے اعمال کا بدلہ ملے گا۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا ؕ لَهَا مَا كَسَبَتْ وَعَلَيْهَا مَا اكْتَسَبَتْ ؕ (۲۸۶)

ترجمہ: اللہ کسی جان پر بوجھ نہیں ڈالتا مگر اس کی طاقت بھر، ہر جان کو اس کا فائدہ ہے جو اچھا کمایا اور اس کا نقصان ہے جو برائی کمائی۔

"اللہ تعالیٰ کسی جان کو اس کی طاقت سے بڑھ کر تکلیف نہیں دیتا یا بوجھ نہیں ڈالتا" شرائع واحکام میں یہ سنت الہیہ اور دین اسلام کا ایک سنہری اصول ہے۔ اس سے مراد یہ ہے کہ شریعتِ اسلامی میں جو احکام دیئے گئے وہ ایسے ہیں کہ ان پر ہر شخص عمل کرسکتا ہے، ان میں ایسی کوئی دقت یا بوجھ نہیں کہ انسان چاہنے کے باوجود اس

پر عمل نہ کرسکے۔ اور جو معذور، لاچار، بیمار اور کمزور اور مجبور ہیں ان کے لیے بھی شریعت نے نہایت واضح رعایات عطا فرمائی ہیں۔ لہٰذا دین کے احکام کی پیروی کے سوا کوئی چارہ نہیں۔ آیتِ طیبہ کے دوسرے حصہ میں واضح کردیا گیا ہے کہ اس دنیا کی زندگی میں تمھارا کوئی عمل ایسا نہیں کہ جو حساب وکتاب سے خارج ہو خواہ دینی عمل سمجھ کر کرو یا دنیاوی عمل سمجھو، بہرحال ہر عمل کی جانچ پڑتال اور باز پرس ہے۔ لہٰذا اچھا کروگے تو اچھا بدلہ پاؤگے اور برا کروگے تو برا بدلہ پاؤگے۔

حصولِ علم، گناہوں کی مغفرت، بیماری سے شفاء، بیروزگاری، بے اولادی، دکھوں،
غموں اور جملہ پریشانیوں سے نجات کے لیے

محفلِ درسِ قرآن اور ذکر

ہر منگل بعد نمازِ عشاء جامع مسجد یسین آباد، عزیز آباد

زیرِ سرپرستی: مفکرِ اسلام مفتیٔ اعظم پاکستان پروفیسر مفتی **منیب الرحمن** دام ظلہ

درسِ قرآن: فقیہ العصر شیخ الحدیث **مفتی ابوبکر صدیق القادری الشاذلی** دام ظلہ (مفتی دارالافتاء Qtv)

تعویذاتِ شاذلیہ

جادو، سحر و آسیب، بندش، بیماری، کاروباری پریشانی، استخارہ اور دیگر روحانی علاج کے لیے تشریف لائیں

بمقام: ہر منگل بعد نمازِ مغرب تا عشاء جامع مسجد یسین آباد، عزیز آباد

طوبیٰ ویلفیئر ٹرسٹ مندرجہ ذیل شعبہ جات میں دکھی انسانیت کی خدمات میں مصروفِ عمل

(۱) اسلامک ریسرچ سینٹر (۲) درالافتاء (۳) لائبریری (۴) ویلفیئر ڈسپنسری (۵) تعلیم القرآن (۶) درسِ نظامی (۷) روحانی تربیت (۸) درسِ قرآن (۹) مذہبی لٹریچر کی فراہمی (۱۰) محافلِ درس ودعا (۱۱) مفت راشن کی فراہمی (۱۲) طوبیٰ روحانی کلینک (۱۳) تجہیز وتکفین (۱۴) مقدس اوراق کا بندوبست (۱۵) تربیتِ حجاج (۱۶) مساجد کی تعمیر (۱۷) مدارس کی تعمیر (۱۸) نومسلموں کی امداد (۱۹) ویب سائٹ

آپ بھی قدم بڑھائیں اور اس کارِ خیر میں حصہ لیجئے

طوبیٰ ویلفیئر ٹرسٹ انٹرنیشنل مرکزی آفس۔ جامع مسجد طوبیٰ ملت گارڈن نزد محبت نگر ملیر سٹی کراچی

رابطہ کے لیے: 0300-2171063

http://www.toobawelfare.com